احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر

قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی البغدادی

زیرِ سرپرستی

شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

جلد 20 شمارہ 12 ذوالقعدۃ ۱۴۲۷ھ دسمبر 2006ء

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری

ایڈیٹر

محمد سلیم دانش

ڈپٹی ایڈیٹر

محمد یوسف

مجلس مشاورت

ڈاکٹر رحیق احمد عباسی

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

ڈاکٹر محمد شاہد محمود

شاہد لطیف، داؤد حسین مشہدی

انجم الثاقب، سید فرحت حسین شاہ

انچارج پرنٹنگ: شوکت علی قادری

گرافکس: محمد الیاس القادری، محمد اکرم قادری

ترسیل مینجر: محمد سلیم اعوان

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم

عکاسی: جمیل احمد شیخ

حسن ترتیب

حمد و نعت		2
اداریہ	چیف ایڈیٹر	3
القرآن	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	6
الحدیث	علامہ محمد معراج الاسلام	22
صحیح البخاری کی روشنی میں مقام و محبت مصطفیٰ ﷺ		
محبت اولیاء، تصوف، بدعت، شخصیت پرستی کی وضاحت	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	27
مقامِ نبوت ﷺ۔ حجیت حدیث پر خصوصی مقالہ	مفتی عبدالقیوم ہزاروی	56
فہم قرآن کی جہات	ڈاکٹر طاہر حمید تنولی	65

www.minhaj.info Info@minhaj.info

قیمت فی شمارہ: 15 روپے

سالانہ زرتعاون: 150 روپے

ترسیل زر کا پتہ

اکاؤنٹ نمبر 1457-51 حبیب بینک منہاج القرآن برانچ 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان فون UAN: 111-140-140 فیکس 5168184

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

بدل اشتراک

مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

طابع: میاں مظفر احمد، ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز، ادارہ منہاج القرآن 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

الٰہی! حمد سے عاجز ہے یہ سارا جہاں تیرا
جہاں والوں سے کیونکر ہو سکے ذکر و بیاں تیرا

زمین و آسماں کے ذرے ذرے میں ترے جلوے
نگاہوں نے جدھر دیکھا نظر آیا نشاں تیرا

ٹھکانہ ہر جگہ تیرا سمجھتے ہیں جہاں والے
سمجھ میں آ نہیں سکتا ٹھکانہ ہے کہاں تیرا

ترا محبوب پیغمبر تری عظمت سے واقف ہے
کہ سب نبیوں میں تنہا ہے وہی اک رازداں تیرا

جہانِ رنگ و بو کی وسعتوں کا رازداں تو ہے
نہ کوئی ہم سفر تیرا نہ کوئی کارواں تیرا

تری ذات معلیٰ آخری تعریف کے لائق
ظہوریؔ سارا عالم روز و شب ہے نغمہ خواں تیرا

(محمد علی ظہوریؔ)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تم ہو جاتے کہاں صدا کے لئے
ہے مدینہ تو ہر گدا کے لئے

ان کی گلیوں میں آنکھ روتی ہے
ہاتھ اٹھتے نہیں دعا کے لئے

یہ ٹھکانہ نہیں ہے غیروں کا
دل بنایا ہے مصطفیٰ کے لئے

جانے کب آئے گا طبیب میرا
درد بڑھتا گیا دوا کے لئے

مر کے پہنچا ہوں ان کی چوکھٹ تک
اب نہ روکو مجھے خدا کے لئے

جس میں خوشبو ہو ان کی زلفوں کی
میں تڑپتا ہوں اس ہوا کے لئے

مر ہی جاتا میں ہجر میں صائمؔ
جی رہا ہوں تری ثنا کے لئے

(صائمؔ چشتی)

ختم ہوں گے اور نہ یہ جنگ ختم ہوگی بلکہ اگر معاملہ یونہی رہا تو انتہاء پسند جو اس وقت ہزاروں میں ہیں لاکھوں میں صف آراء ہوجائیں گے۔ مغربی تجزیہ نگار دہشت گردی کی حالیہ کارروائیوں میں مظالم کو بیان کرتے ہوئے صرف ایک ہی رخ پر نظر رکھتے ہیں مثلاً انہوں نے حالیہ حادثے میں پاکستان آرمی کے 42 لوگوں کی ہلاکت کا ذکر تو کیا مگر باجوڑ میں 83 لوگوں کی بے رحم موت کے ذمہ داروں کو بھول گئے اسی طرح عراق، افغانستان اور فلسطین میں فریق اول کے مظالم کا ذکر ہورہا ہے مگر مذکورہ ممالک میں ان لاکھوں نہتے لوگوں کی ہلاکت کے مرتکب مسلح فوجیوں کی کاروائی پر پردہ ڈالا جارہا ہے۔ یہی تو وہ عینک ہے جس سے دیکھنے والوں کو کبھی بھی اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔ نتیجتاً جب بغاوت، فرسٹریشن اور خودکش حملوں کی صورت میں نکلتا ہے تو اس پر یہ لوگ چیخ اٹھتے ہیں۔ آخر میں امریکہ اور دیگر یورپی ممالک کو محفوظ بنانے اور حقیقی امن کے قیام کے لئے ممکنہ اقدامات کی نشاندہی کی جارہی ہے۔

☆ تمام جمہوریت پسند، اعلیٰ اقدار کے امین اور مذاہب کا احترام کرنے والے یورپی ممالک کو جارحانہ کاروائیوں سے فوری طور پر عملاً علیحدگی اختیار کر لینی ضروری ہے جس کی ضرورت حالیہ الیکشن میں امریکی عوام نے بھی شدت سے محسوس کی۔

☆ ان ممالک میں قوانین سازی کرتے وقت ''دہشت گرد'' کاروائیوں کے ضمن میں صرف مسلمانوں کو لنک کرنے کی بجائے حقیقی جرائم پیشہ افراد اور طبقات پر توجہ دی جائے، ورنہ دونوں طرف غلط فہمیوں کی بساط بچھتی رہے گی۔

☆ ناگوار حادثات کے وقوع پذیر ہونے کی صورت میں مکمل اور دیانتدارانہ تحقیقات کے بعد ہی کسی فرد یا گروہ کو قصور وار ٹھہرایا جانا چاہئے، گذشتہ واقعات میں معاملہ اس کے برعکس ہوا ہے اور پوری مسلمان کمیونٹی ناکردہ گناہوں کی بھینٹ چڑھتی رہی ہے جس سے بادل نخواستہ منفی رویوں نے جنم لیا۔

☆ یورپی ممالک سمیت امریکہ میں ہمیشہ سے میڈیا میں کوریج انتہا پسند مسلمانوں کے اسی مختصر سے گروہ کو دی جاتی ہے جبکہ 90 سے 95 فیصد مسلمان اکثریت کے نمائندوں کو پوچھا ہی نہیں جاتا۔ امن پسند اور اسلام کی حقیقی اپروچ رکھنے والے مسلم اہل دانش کو نمایاں کیا جانا چاہئے تاکہ نوجوان مسلم نسل کی مثبت تربیت ہوسکے۔

☆ مغربی حکومتیں اپنے خوشحال معاشروں میں حقیقی امن قائم کرنا چاہتی ہیں تو یہ سالوں کی کاوش نہیں بلکہ مہینوں میں قائم ہوسکتا ہے بشرطیکہ مسائل کو حقیقی رنگ میں رکھ کر دیکھا جائے اور ان کے لئے کسی نسل مذہبی علاقائی یا لسانی گروہ بندی کا شائبہ پیدا نہ ہونے دیا جائے۔ دنیا کے نقشے پر جہاں جہاں بدامنی پائی جاتی ہے وہاں قیام امن کے لئے اس جگہ کے لوگوں کے مسائل اور مطالبات کو دیکھ کر قابل عمل اور آبرومندانہ حل کے لئے کوششیں کی جائیں۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو دنیا کو تہذیبی تصادم سے واقعی محفوظ نہیں رکھا جاسکے گا اور تیسری عالمی جنگ کے امکانات اپنی جگہ باقی رہیں گے۔

ڈاکٹر علی اکبر قادری

تحفظ حقوق نسواں بل

قارئین! حکومت پاکستان نے اسمبلی اور سینٹ سے حدود بل میں ترامیم کو ''تحفظ حقوق نسواں بل'' کے نام سے منظور کروالیا ہے، اس کے اسباب، نتائج اور تجاویز پر مشتمل مکمل رپورٹ انشاء اللہ آئندہ شمارے میں شامل اشاعت کی جائے گی۔

Scanned with CamScanner

القرآن

فکرِ آخرت

موت! قیامت کا مرحلہ اولیٰ

شہر اعتکاف سے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا دوسرا خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف (منہاجین)

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا. (آل عمران، ۳:۱۹۳)

''اے ہمارے رب (ہم تجھے بھولے ہوئے تھے) سو ہم نے ایک نداء دینے والے کو سنا جو ایمان کی نداء دے رہا تھا کہ (لوگو!) اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے''۔

دو الفاظ ایسے ہیں جو تلفظ کے لحاظ سے قریب قریب ہیں مگر معنیٰ کے اعتبار سے مختلف ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ عمل ۲۔ أمل

عمل سے ہم واقف ہیں، اس کی جمع اعمال ہے یعنی اعمالِ صالحہ، عبادات، طاعات، حسن معاملات اور حسنات وغیرہ دوسرا لفظ ''أمــل'' جو بولنے کے اعتبار سے غیر عرب لوگوں کو 'عمل' کی طرح لگتا ہے اور اس کا معنیٰ ''امید'' ہے۔ آفات نفس اور ہلاکت نفس جو ہماری اخروی تباہی و بربادی کا باعث بنے جا رہے ہیں ان کا سبب أمــل (امید) ہے۔ ہمارے پاس قلتِ عمل ہے اور کثرتِ أمل (امید) ہے، عمل کم ہے اور امید زیادہ ہے۔ پہلے لوگ عمل زیادہ کرتے تھے اور امید کم ہوتی تھی یعنی ''امید'' میں ڈرتے تھے جبکہ ہماری امیدیں بڑھ گئیں، جو جانتا ہے وہ بھی امیدوں پر ہے اور جو نہیں جانتا وہ بھی امیدوں پر ہے۔۔۔ ایسا کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ سے تعلق دو طرح کا ہوتا ہے:

۱۔ ایک تعلقِ خوف ہے ۲۔ ایک تعلقِ رجاء (امید) ہے

کچھ لوگ اللہ سے خوف کا تعلق رکھتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں اور کچھ لوگ رجاء (امید) کا تعلق رکھتے ہیں اور حق یہ ہے کہ کمال ایمان نہ خالی خوف میں ہے اور نہ خالی رجاء (امید) میں ہے، دونوں میں سے تنہا اگر کوئی ایک طریق اپنالیا تو اس میں خطرہ ہے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ اگر اللہ سے تعلق کی بنیاد صرف خوف پر رکھ دی جائے تو وحشت پیدا ہوتی ہے، بندہ ایسا ڈرتا ہے کہ ڈر کے مارے دور ہو جاتا ہے۔ تعلق باللہ کی بنیاد صرف خوف ہو تو اس سے وحشت پیدا ہوتی ہے اور اگر تعلق باللہ کی بنیاد صرف رجاء (امید) پر ہو یعنی وہ امید جو ہم نے لگا رکھی ہے اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ انسان عمل میں غافل ہو جاتا ہے، اگر صرف اس مالک کو خوف سے جانے، خوف کا تعلق رکھے تو وحشت زدہ ہو جاتا ہے اور اگر صرف امید و رجاء پر تعلق رکھے جیسے ہم نے رکھا ہوا ہے تو انسان عمل میں غافل ہو جاتا ہے اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔

رب، نہ وحشت سے ملتا ہے اور نہ غفلت سے ملتا ہے۔ وحشت میں بھی خطرہ ہے اور غفلت میں بھی خطرہ ہے۔ پس خوف و رجاء دونوں کو جمع کر دیں تو خشیت بنتی ہے۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا. (فاطر، ۳۵:۲۸)

''پس اللہ کے بندوں میں سے اس سے وہی ڈرتے ہیں جو (ان حقائق کا بصیرت کے ساتھ) علم رکھنے والے ہیں''۔

یعنی اللہ کے نزدیک عالم وہی ہیں جو صاحبان خشیت ہیں جو کبھی میرے خوف میں روتے ہیں اور کبھی میری امید میں ہنستے ہیں۔ حضور ﷺ کو بھی یہی دو شانیں دے کر بھیجا ارشاد فرمایا:

اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا. (الفتح، ۴۸:۸)

''بے شک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوال امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے''۔

یعنی کبھی خوشخبری دیتے ہیں تو غلام ہنس پڑتے ہیں، کبھی ڈر سناتے ہیں تو غلام رو پڑتے ہیں۔ کبھی مبشر بن کر امید دلاتے ہیں، کبھی نذیر بن کر خوف دلاتے ہیں۔ پس خوف و رجاء کے ملنے سے خشیت پیدا ہوتی ہے اور یہ علم صحیح ہے۔ اگر خوف و رجاء ایمان کی کیفیت میں ہمارے قلب، عمل اور حال میں مل جائیں تو خشیت جنم لے گی اور اگر خشیت نصیب ہوجائے تو رب کی قربت ملتی ہے، نہ وحشت رہتی ہے اور نہ غفلت رہتی ہے۔ وہ وحشت جو خوف سے پیدا ہوئی تھی، خشیت اس وحشت کو بھی دور کردیتی ہے اور وہ غفلت جو صرف رجاء سے پیدا ہوئی تھی، خشیت اس غفلت کو بھی دور کردیتی ہے۔ پس خشیت قربت دیتی ہے اور جب اللہ کی قربت نصیب ہوتی ہے تو تب معرفت ملتی ہے، جب کسی کے قریب ہی نہ ہوئے تو اس کی معرفت کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔

کمال ایمان نہ خالی خوف میں ہے اور نہ خالی رجاء (امید) میں ہے بلکہ ان دونوں کو اپنانے سے خشیتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے جو قربت و معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے

پس خوف و رجاء کے ملنے سے خشیت۔۔۔ خشیت سے قربت۔۔۔ اور قربت سے معرفت ملتی ہے۔ یہ ہم لوگوں کے احوال و اعمال کے بدلنے کا طرزِ عمل، راستہ اور منہاج ہے۔ ہم نے ساری زندگی صرف رحمت، بخشش، مغفرت، شفاعت اور امید کی بات کی ہے، ہر شخص خواہ پوری زندگی نافرمانی پر بھی گزارتا ہے تو امید پر رہتا ہے، اس امید نے ہمیں غافل کردیا۔ ''جو دم غافل سو دم کافر'' اللہ والے غفلت کو گوارا نہیں کرتے

یک لحظہ غافل بودم   صد سالہ منزل دور شد

ایک لمحہ اگر غفلت ہوجائے تو سو سال کی طے کی ہوئیں منزلیں بھی دور ہوجاتی ہیں۔

عزیز رفقاء و وابستگان! غفلت سے نکلنا ہوگا، میں آپ کو خوف وخشیت میں نہیں ڈالنا چاہتا مگر امید و رجاء پر مبنی غفلت میں بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ خشیت کی راہ پر آجائیں تاکہ خشیت سے قربت ملے اور قربت سے معرفت نصیب ہو۔ حضور ﷺ اکثر ان صحابہ کرام کو جو بڑے اندوہناک اور دردناک لہجے میں قرآن پڑھتے، کہتے کہ قرآن سناؤ۔ صحابہ عرض کرتے یارسول اللہ ﷺ قرآن آپ پر اترا ہے اور ہم آپ کو سنائیں؟ حضور ﷺ فرماتے:

اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَ عَنْ غیرہ. (الصحیح البخاری، جلد۴ ص ۱۹۲۷ حدیث ۴۷۶۸)

''مجھے اس بات سے محبت ہے کہ میں دوسروں سے سنوں''۔

صحابی کہتے ہیں کہ میں نے حکم پر سنانا شروع کیا، آپ ﷺ فرماتے جاتے اور پڑھو، اور پڑھو، تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ

خاموش ہوگئے، صحابی کہتے ہیں کہ میں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو حضور ﷺ کے چشمان مقدس سے آنسو رواں تھے۔

منہاجِ تربیت و اصلاح

قرآن پاک میں رب کائنات نے ارشاد فرمایا:

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا. (آل عمران، ۳:۱۹۳)

''اے ہمارے رب (ہم تجھے بھولے ہوئے تھے) سو ہم نے ایک نداء دینے والے کو سنا جو ایمان کی نداء دے رہا تھا کہ (لوگو!) اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے''۔

اس آیت مبارکہ سے تربیت کا منہاج اور راستہ آپ لوگوں کے لئے بیان کررہا ہوں جو آج سے پہلے کبھی بیان نہ کیا۔ اس آیت مبارکہ میں پہلا نکتہ یہ ہے کہ کوئی نداء دینے والا ہونا چاہئے۔۔۔ اس زمانے میں منادی بھی نہ رہے اور ندائیں بھی نہ رہیں۔

دوسرا نکتہ

دوسرا نکتہ اس آیت مبارکہ کے حوالے سے یہ ہے کہ اگر کوئی نداء دینے والا آجائے تو اس کا کوئی سننے والا ہونا چاہئے۔۔۔ نہ نداء رہی اور نہ ہی سامع رہا۔ نہ کوئی لانے والا رہا اور نہ کوئی بلاوے کو سننے والا رہا۔ سنتے ہیں، حظ لیتے ہیں مگر ایک طرف سے سننے کے بعد دوسری طرف سے نکال دیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ انسان جس کے سننے سے حظ لے اور عمل نہ بدلے وہ حظِ نفس ہے یعنی حظ لے مگر نصیب نہ لے۔ حظ کی علامت یہ ہے کہ انسان ''واہ واہ'' کرتا ہے، سر دھنتا ہے، تعریفی کلمات کہتا ہے۔ اس آیت میں منہاج اصلاح یہ ہے کہ داعی اور منادی کی بات کو دھیان سے سنیں اور سن کر صرف حظ نہ لیں، نصیب لیں۔ نصیب کیا ہے؟ فَـاٰمَـنَّـا۔۔۔ دل میں ایمان اتر جائے۔ ایمان کا دلوں میں گھر ہوجائے، ہمارے مسلک میں سماع کی کثرت ہے۔ آج قرآن کے قاریوں، نعت خوانوں، خطیبوں، واعظوں اور علماء کی کثرت ہے مگر اس کے باوجود کچھ بھی نہیں ہے۔ قرآن کا سماع کرتے ہیں، حظ لیتے ہیں۔۔۔ حضور ﷺ کی نعت کا سماع کرتے ہیں، حظ لیتے ہیں۔۔۔ مگر نصیب نہیں لیتے۔

تیسرا نکتہ

اس آیت میں تیسرا نکتہ یہ ہے کہ سن کر صرف حظ نہ لیں بلکہ لبیک اور امنا وصدقنا کہہ دیں یعنی عمل گواہی دے کہ ہم جھک گئے ہیں۔ پس اس آیت مبارکہ کے ان تین نکات پر عمل کریں۔ امنا کا عملی نمونہ بنیں۔

چوتھا نکتہ

منہاجِ تربیت و اصلاح کا چوتھا نکتہ یہ ہے کہ انسانی بڑے بڑے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرے۔ ارشاد فرمایا:

رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْعَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَار. (آل عمران، ۳:۱۹۳)

''اے ہمارے رب! اب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری خطاؤں کو ہمارے (نوشتۂ اعمال) سے محو فرمادے اور ہمیں نیک لوگوں کی سنگت میں موت دے''۔

اس آیت میں توسل کا اشارہ ہے مگر اس سے قبل توسل کی دو شرائط ہیں۔

۱۔ گناہوں سے معافی مانگنا ۲۔ لغزشوں سے پاک ہونا

صرف توسل پر ہی اعتماد نہ کریں بلکہ اس اعتماد کے ساتھ ساتھ اپنے گناہوں کو بھی دھونے کا اہتمام کریں۔ ہماری خرابی یہ ہے کہ ہم صرف توسل والے ہی رہ گئے اور توسل کے تقاضوں کو فراموش کردیا۔ نبی کریم ﷺ ایک رات اپنے ایک خادم حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ پر مہربان ہوگئے اور فرمانا سل ربیعة ''ربیعہ مجھ سے جو مانگنا ہے مانگ لے''۔۔۔حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ ''میں آپ ﷺ سے جنت میں بھی رفاقت کا سوال کرتا ہوں''۔۔۔حضور ﷺ نے فرمایا: او غیــر ذلک ''اس کے علاوہ بھی کچھ چاہئے تو وہ بھی مانگ لو''۔۔۔حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ھو ذاک یـارسـول اللہ ''یارسول اللہ یہی کافی ہے''۔۔۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ کہا مگر ہر مرتبہ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے یہی جواب دیا کہ یارسول اللہ یہی کافی ہے۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے استعانت کی، استغاثہ کیا اور جنت و جنت میں رفاقت کا سوال کیا اور یہ توسل ہے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَاَعِنِّی عَلٰی نَفْسِکَ بِکَثْرَةِ السُّجُوْد. ''پس کثرت سجود کے ذریعے میری مدد کر''

یعنی میں نے تو تجھے جنت بھی دے دی اور رفاقت بھی دے دی۔ پس اب تو میرے وعدے کی لاج رکھنے کے لئے کثرت سے سجدے کر۔ یعنی جس جگہ کا وعدہ کردیا ہے تو اس جگہ کے لائق بھی بن۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ عمل اور توسل کو جوڑیں تو تب ایمان کامل ہوتا ہے۔ ہم نے عمل ترک کردیا اور صرف توسل پر جینے لگ گئے اور کچھ لوگوں نے توسل کو ترک کردیا اور خالی عمل کو تھام لیا۔ نہ وہ طریق اچھا نہ یہ طریق اچھا۔

پس توسل کی پہلی شرط گناہوں کی معافی مانگنا ہے یعنی بڑی بڑی نافرمانیاں چھوڑ دیں، توبہ کرلیں تو گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ قتل، زنا، چوری، جھوٹ، غیبت، تہمت، چغلی، حرام خوری، ملاوٹ، گالی گلوچ، والدین کی نافرمانی، حق تلفی، ناانصافی، ظلم وغیرہ اگر چھوڑ دیں، زندگی کو پاک کرلیں تو فاغفر لنا ذنوبنا ہوگیا۔ یہ پہلی توبہ ہے۔

پانچواں نکتہ

انسان کی تربیت و اصلاح کے لئے آیات قرآنی میں بیان کردہ پانچواں نکتہ یہ ہے کہ انسانی چھوٹی خطاؤں اور معمولی لغزشوں سے بھی پاک ہو۔ توسل کی دوسری شرط جو آیت مذکورہ میں بیان ہوئی ہے وہ ہے وَ کـفـر عنا سیئاتنا اس کے بعد چھوٹی چھوٹی ناانصافیاں انسان زندگی میں کرتا کرتا چلا جاتا ہے۔ بندے کو اس کا شعور بھی نہیں ہوتا، وہ اعمال، اخلاق، طاعات اور معاملات سے متعلق ہیں ان چھوٹی چھوٹی خطاؤں اور غلطیوں سے بھی اپنے آپ کو پاک کرنا توسل کی دوسری شرط ہے۔

چھٹا نکتہ

تربیت و اصلاح کا چھٹا نکتہ توسل ہے۔

درج بالا دو کام یعنی بڑے گناہوں اور نافرمانیوں سے اپنے آپ کو پاک کرنا اور چھوٹی خطاؤں اور لغزشوں سے پاک کرنا توسل کی شرائط ہیں ان کے بعد اللہ نے توسل کی تلقین کی اور ارشاد فرمایا کہ اب دعا کرو۔

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَار.

باری تعالیٰ ہم نے زندگی حتی الوسع گناہوں سے پاک کرلی اور اس طرح حتی الوسع لغزشوں سے بھی توبہ کرلی۔ اب ہمیں نیک لوگوں کی سنگت میں موت دے۔

اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ زندگی کو گناہوں اور لغزشوں سے پاک کرنے کے باوجود موت کے بعد کی سلامتی کی

Scanned with CamScanner

ضمانت نہیں ہے کیونکہ اگر وہ عدل کرنے پر آ گیا تو کچھ بھی نہیں بچے گا۔ اس لئے رب کائنات نے فرمایا کہ گناہوں اور لغزشوں سے توبہ کے بعد اپنی زندگی کو سنوارنے اور نیک اور صالح ہوجانے کے بعد دعا کرو کہ مولا جب موت آئے تو تیرے اولیاء اور محبوب افراد کی سنگت میں موت آئے۔ فرمایا پوری عمر سنوارنے، گناہوں اور لغزشوں سے توبہ کرنے کے بعد نیک لوگوں کا سہارا لو کیونکہ اچھے اعمال کا کرنا اور گناہوں اور لغزشوں سے توبہ کرنے کے بعد بھی اچھی موت کی ضمانت نہیں۔ اگر اچھی موت کی ضمانت لینی ہے تو نیک لوگوں کی سنگت اور صحبت کی دعا کرو کہ مولا موت کے بعد اٹھنا، حساب وکتاب کا ہونا اپنے اعمال کے بل بوتے پر نہ ہو بلکہ تیرے نیک بندوں کے سہارے ہو تاکہ ان کی سنگت میں ہم بھی بخشے جائیں۔

پس توسل سے پہلے اپنی اصلاح، تقویٰ، صالحیت، پرہیزگاری، توبہ اور پاکیزگی درکار ہے۔ ہمارا مسلکی، اعتقادی، فکری اور عملی مزاج یہ بن گیا ہے کہ۔۔۔ ''کوئی بات نہیں بیڑا پار ہی ہوجائے گا''۔۔۔ فلاں کے ساتھ ہیں بیڑا پار ہو ہی جائے گا''۔۔۔ یہ جملے ہماری زبان پر ہمہ وقت رہتے ہیں مگر اعمال کی جانب متوجہ نہیں ہوتے حالانکہ اللہ اور اس کے رسول کی یہ تعلیمات نہیں ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق تو بیڑا پار کرنے کا یہی طریقہ ہے جو گناہوں اور لغزشوں سے توبہ کے بعد نیک لوگوں کی صحبت وسنگت کو اختیار کرنا ہے۔ منہاج تربیت واصلاح درج بالا دو آیات کریمہ میں درج ذیل 6 نکات کی صورت میں واضح ہوا:

۱۔ کوئی نداء دینے والا ہو۔ ۲۔ نداء کو سننے والا ہو ۳۔ سننا ایسا ہو جو دل میں اتر جائے۔

۴۔ زندگی کو بڑے گناہوں و نافرمانیوں سے پاک کرنا ۵۔ زندگی کو خطاؤں اور معمولی لغزشوں سے بھی پاک کرنا۔

۶۔ بخشش اور کامیاب موت کا بھروسہ اپنے اعمال پر نہ کرو بلکہ اچھی اور نیک صحبت وسنگت اختیار کرو۔

کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے عمل پر بھروسہ کرلیا اور سنگت تلاش کرنے کی حاجت محسوس نہ کی وہ بھی مارے گئے۔ پہلے اپنے احوال اور اعمال کی مقدور بھر اصلاح کرلیں اور جب یہ فرض ادا ہوجائے تو اچھی سنگت کی تلاش کریں وتوفنا مع الابرار ''وفات ابرار کے ساتھ ہو'' ''موت اللہ والوں کے ساتھ ہو۔

ساتواں نکتہ

درج بالا آیات کریمہ میں زندگی سے بات چلی اور موت تک آئی۔ موت کے بعد پھر قیامت کا دن بھی آنا ہے۔ اگلی آیت میں یوم محشر کا حال بتادیا۔ فرمایا:

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَاتُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَاتُخْلِفُ الْمِيْعَادَ. (آل عمران، ۳:۱۹۴)

''اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے وعدہ فرمایا اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر، بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا''۔

یعنی موت کے بعد آخرت کا حصہ مانگو اور آخرت کا حصہ اپنے اعمال کے بل بوتے پر نہ مانگو۔ موت تک تو بڑی سنگتیں کام آئیں گی اور قیامت کے دن سب سنگتوں پر رسولوں کی سنگت غالب ہوگی، اس لئے آخرت کا حصہ مانگتے وقت اعمال پر بھروسہ کی بجائے کہو۔۔۔ کہ مولا وہ عطا کر جو تو نے اپنے رسولوں کو دینا ہے۔۔۔ ہمیں نہیں معلوم کہ تو نے انہیں کیا دینا ہے۔۔۔ اور ہمیں نہیں معلوم کہ کیا مانگنا ہے۔۔۔ اور ہمیں نہیں معلوم کہ تو کیا دے گا اور ہم کیا مانگیں اور کیا نہ مانگیں۔۔۔ ہم نادان ہیں، پس تجھ سے وہ مانگتے ہیں جو تو نے اپنے رسولوں سے وعدہ کیا ہے۔۔۔ اور قیامت کے دن ہمیں ذلیل ورسوا نہ کرنا اور شرمسار نہ کرنا۔

پس اس آیت میں بھی رسولوں کے وسیلے سے مانگنے کی دعا کی تلقین کی جارہی ہے اور یہ کلمہ ''توسل لفظی'' بھی

ہے اور توسل نفسی بھی ہے۔ اس کے اندر شفاعت بھی موجود ہے۔۔۔ قیامت کے دن شرمساری کن کو نہ ہوگی، اصلاً تو یہ شان نبی کریم ﷺ کی ہے کہ وہ سرخرو ہوں گے اور ان کے بعد جو ان کے ساتھ ہوں گے، وہ بھی شرمساری سے بچ جائیں گے۔ پس ایسے بنو کہ قیامت کے دن وہ تمہیں اپنے ساتھ لے لیں۔ منہاج اصلاح کا ساتواں نکتہ یہ ہے کہ ایسے بنو کہ قیامت کے دن شرمساری سے بچ جاؤ اور حضور ﷺ تمہیں اپنے ساتھ لے لیں۔

کامیابی اور ناکامی کن کا مقدر ہوگی؟

قیامت کے دن شرمساری کا نہ ہونا اور بیڑا پار ہوجانا کن لوگوں کا مقدر ہوگا اس بارے ارشادفرمایا:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ. (الحدید، ۵۷:۱۲)

''(اے حبیب) جس دن آپ (اپنی امت کے) مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب تیزی سے چل رہا ہوگا''۔

''تری'' (دیکھیں گے) میں بین السطور معنی یہ ہے کہ مومنین کی یہ حالت دیکھ کر آپ کا دل خوش ہوجائے گا۔ مومنین کی یہ حالت دیکھ کر دنیا دور سے پہچان لے گی کہ اہل نور آرہے ہیں اور یہ اس لئے ہوگا کہ اس وقت ایمان اور عمل صالح نور میں بدل جائے گا اور جب مومنین نور کے ہالہ میں چل رہے ہوں گے تو آواز آئے گی۔

بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَالْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.

''(انہیں کہا جائے گا) آج کے دن تمہیں خوشخبری ہو آج (تمہارے لئے) جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں (تم) ہمیشہ ان میں رہو گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

گویا قیامت کے دن کوئی حساب کتاب دینے کے لئے آئے ہوں گے۔۔۔ برے حال میں تھر تھر کانپ رہے ہوں گے، ہوش وحواس اڑ چکے ہوں گے۔۔۔ کئی منہ کے بل گھسیٹے جارہے ہوں گے۔۔۔ کئی پل صراط سے پھسل کر دوزخ میں گر رہے ہوں گے۔۔۔ کئی میزان پر شرمسار کھڑے ہوں گے اور دوسری طرف کئی نیک، پاکباز، صالح خوش نصیب ایسے بھی ہوں گے جنہیں رب کی بارگاہ سے خوشخبریاں مل رہی ہوں گی اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ جس زندگی کو ہم کامیابی سمجھتے ہیں وہ کامیابی نہیں ہے، اس دن کی کامیابی اصل کامیابی ہے یہ تذکرہ ان لوگوں کا تھا جو کامیاب ہوگئے۔

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو زندگی میں سنبھل نہ سکے اور سنور نہ سکے، حُبِ دنیا میں غرق ہوگئے، جن کی ساری زندگی دنیا، جاہ ومنصب، حرص، لالچ، شہوت، مال و دولت، دنیا کے جھگڑوں اور خباثت میں گزر گئی۔ ان کے بارے ارشادفرمایا۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا انْظُرُوْنَا. (الحدید، ۵۷:۱۳)

''جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے ذرا ہم پر (بھی) نظر (التفات) کردو''۔

یہ لوگ مسلمان ہوں گے مگر ان کا ایمان کھرا نہ ہوگا، اس میں نفاق اور کھوٹ ہوگا۔ کئی مترجمین نے ''انظرونا'' کا ترجمہ ''ذرا ہمارا انتظار کرو'' کیا ہے اور یہ ترجمہ علمی وفنی لحاظ سے درست نہیں میں نے اس کا ترجمہ دوسرے مترجمین سے مختلف کیا ہے کہ ''انظرونا'' کا ترجمہ ''ذرا ہم پر بھی نظر التفات کردو'' ہے۔ گویا اس دن بھی نظر کرم کی حاجت وضرورت ہوگی پھر کہیں گے:

نَقْتَبِسْ مِنْ نُوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا.

''ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں، ان سے کہا جائے گا تم اپنے پیچھے پلٹ جاؤ اور (وہاں جاکر) نور تلاش کرو (جہاں تم نور کا انکار کرتے تھے)''۔

Scanned with CamScanner

سخاوت، نور والوں کی علامت

یعنی وہ لوگ کہیں گے ہم آج اندھیرے میں ہیں، ہم پر نظر کرم کردو، کچھ نور ہم بھی تمہارے نور سے لے لیں۔ نور والے لوگ بڑے سخی ہوتے ہیں جن کے ایمان کو اللہ نور سے بدل دیتا ہے ان کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ وہ کنجوس و بخیل نہیں ہوتے بلکہ سخی و کریم ہوتے ہیں۔ اس لئے منافقین کی التجا کے جواب میں نور والوں نے یہ نہیں کہا بلکہ اللہ کی طرف سے انہیں کہا جائے گا کہ جاؤ، پیچھے سے لے کر آؤ، جہاں تم اس کا انکار کرتے تھے۔ اگر نور والے یہ جواب دیتے تو سیاق کے تقاضے کے مطابق قیل کی بجائے "قالوا" (وہ کہیں گے) کا لفظ آتا کہ پیچھے پلٹ جاؤ ہوسکے تو دنیا میں جاؤ اور پھر نیک عمل کرو، اپنے کھوٹ ختم کرو، ستھرے اور سچے ایمان کو لاؤ، اعمال صالحہ کرو، رات کی تاریکیوں میں سجدے کرو۔ تاریکیوں میں سجدے کئے اور روئے نہیں تو آج کی تاریکی کیسے ختم ہو۔ اس قیامت کی تاریکی کو تو رات کے آنسوؤں نے ختم کرنا تھا، اس قیامت کے اندھیروں کو تو اس رات کے اندھیرے نے ختم کرنا تھا جس میں تمہارے آنسو گرے ہوتے، سجدے ہوتے، عبادتیں ہوتیں۔ اس تاریکی نے اس تاریکی کو مارنا تھا۔ تم نے اس راتوں سے تو فائدہ نہ اٹھایا، غفلت میں رہے، پلٹ جاؤ دوبارہ دنیا میں اور وہیں سے نور لے کر آؤ، یہ نور یہاں نہیں ملتا، مرنے سے پہلے لے کر آیا جاتا ہے۔

پس سن لو! جب موت آجائے گی تو پھر نور نہیں ملے گا۔۔۔ جس نے نور کا سودا پہلے نہ کرلیا، جس نے اپنا چراغ پہلے نہ جلالیا، پھر چراغ نہ جلیں گے، اپنے چراغ روشن کرلو، آگے بہت تاریک کوٹھڑی آنے والی ہے، نور بنالو۔۔۔ ایمان والے بڑے سخی ہوتے ہیں، اس لئے وہ منافقین کو واپس پلٹنے کا نہ کہیں گے۔ یہ بات اس لئے کہی کہ آپ بھی سخاوت کے وطیرے اپنائیں، سخاوت صرف مال دینے اور پیسے خرچ کرنے کو نہیں کہتے بلکہ اس سے پہلے سخاوت نفس ہوتی ہے۔۔۔ دوسرے کو معاف کردینا سخاوت ہے۔۔۔ دوسرے کی کوتاہیاں نظر انداز کردینا نفس کی سخاوت ہے۔۔۔ سب سے پہلے سخاوت نفس ہے اور اس کے بعد سخاوت مال ہے۔۔۔ دوسری طرف غیض و غضب، بغض، کینہ، غیبت، تہمت، حسد، عداوت، کبر، تکبر یہ تمام چیزیں بخیلی اور کنجوسی ہیں۔۔۔ اور جن کے نفس سخی ہوجاتے ہیں ان کی زندگی سے یہ تمام اخلاقی برائیاں ختم ہوجاتی ہیں کیونکہ ان کے نفس کو اللہ نے سخی کردیا ہے۔ پس نور والے سخی ہوتے ہیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ نور ملے تو طریق سخاوت اپنائیں اور پھر جو سخی ہوں وہ جھگڑالو نہیں ہوتے۔ آج اگر ہم اپنا محاسبہ کریں تو ہمارے اندر بخیلی نفس موجود ہے اور سخاوت نفس کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں۔

نور والے سخی ہوتے ہیں یہ مفہوم مذکورہ آیت کے الفاظ "قیل ارجعوا" سے اخذ ہوتا ہے۔ نور والوں سے کہا جائے گا کہ نظر التفات کرو۔۔۔ چاہیے تو ان نور والوں کو تھا کہ وہ جواب دیں مگر جواب انہوں نے نہ دیا بلکہ اللہ نے نور والوں کی سخاوت کی وہاں بھی لاج رکھی ہے۔۔۔ نور والوں کو نہیں کہا جائے گا کہ تم جواب دو، کیونکہ جواب اب "نہ" میں آنے والا ہے، اگر جواب "ہاں" میں ہوتا تو شاید انہی کو توفیق دی جاتی کہ تم کہہ دو "اچھا لے لو" لیکن جواب "نہ" ہونے کی وجہ سے "نہ" مقرب لوگوں کے منہ سے نہیں کروائی بلکہ فرمایا قیل ارجعوا "آواز آئے گی" "ان سے کہا جائے گا" یہ کہنا فرشتوں کا ہوگا یا کسی اور کہنے والے کا کہنا ہوگا مگر نور والوں کا کہنا نہ ہوگا۔ پس منافقوں کو "نہ" نور والوں نے اپنے منہ سے نہیں کہی، آگے ارشاد فرمایا:

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ.

"تو (اسی وقت) ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا"۔

تاکہ مانگنے والے، بار بار مانگ کر انہیں تنگ نہ کریں۔ بعد ازاں یہ منافقین رشتہ داریاں گنوائیں گے، رشتہ دار بھی سن لیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزاہرا کو کم سنی میں لوگوں کو سنانے کے لئے کہا کہ اپنے عمل کرکے لے جانا، جو

محنت کر کے نہیں گیا وہاں میرا رشتہ کام نہ آئے گا" یعنی میرے رشتے پر بھروسہ نہ کرنا، لاج رکھنا، لاج رکھو گے تو بھروسہ کام آئے گا۔ اگر لاج نہ رکھو گے تو بھروسہ بھی کام نہ آئے گا۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے اعمال اچھے نہ تھے جس بناء پر اسے بھی رد کر دیا اور فرمایا اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کہ نوح یہ تمہارا بیٹا ہی نہیں اس لئے کہ اس کے عمل اچھے نہیں۔

آیئے رشتے اس بات پر استوار کریں جو بنیاد اللہ نے رکھی ہے، یعنی عمل صالح اور محبت خالص پر رشتے استوار کریں۔ ہم اپنی رفاقتوں کی بنیاد بھی یہی بنالیں اس لئے کہ جو شرمساری اُس دن ہونی ہے اس کا ازالہ اس دنیا میں ہوجائے۔ ایسے نہ ہو کہ ہم نرے دھتکارے جانے والے منگتے بنے پھریں اور روز قیامت "انظرونا" کی صدائیں نور والوں سے کرتے پھریں بلکہ ایسے ہوجائیں کہ نور میں چلنے والے بنیں، یہ رشتہ ایسا ہو کہ قیامت کے دن کا نور پیدا کردے۔ تحریک سے وابستہ ہر کارکن ایسا ہو کہ اس کی پیشانی سے سجدوں کا نور نظر آئے، اس کی آنکھیں چھلکنے والی آنکھیں بن جائیں، دل، اللہ کی محبت میں تڑپنے والا ہوجائے، زبان میٹھی ہوجائے، چہرے حضور ﷺ کا نقشہ بن جائیں۔ اخلاق، حضور ﷺ کے خلق حسنہ کا نمونہ بن جائیں۔ اسوہ حسنہ کے پیکر بن جائیں، آپ کے قلب و باطن میں بھی نور ہو، چہروں پر بھی نور ہو، دنیا آپ کو نمونہ جانے۔ منافقین اس وقت نور والوں سے کہیں گے۔

اَلَمْ نَكُمْ مَعَكُمْ "کیا دنیا میں ہم آپ کے ساتھ نہیں تھے"۔

کوئی کہے گا کہ کیا ہم آپ کے رشتہ دار، پڑوسی، دوست نہ تھے، اس وقت نور والے جواب دیں گے۔ قَالُوْا بَلٰی "ہاں" (اس میں تو شک نہیں کہ رفاقت تھی) مگر وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ "لیکن تم نے اپنے آپ کو ہی فتنے میں مبتلا کرلیا تھا" وَتَرَبَّصْتُمْ "اور تم برائی و نقصان کے منتظر رہتے تھے" وَارْتَبْتُمْ "اور تم شک کرتے رہتے تھے"۔ یعنی یقین کامل نہ تھا ہر وقت شک تھا کہ باتیں تو اچھی ہیں مگر پتہ نہیں ایسا ہونا بھی ہے یا نہیں۔ وَغَرَّتْهُمُ اَمَانِيُّهُمْ "تمہیں امیدیں بڑی لمبی لمبی ہوگئیں تھیں اور ان امیدوں نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا" اور غافل ہوگئے تھے۔ ہم میں سے ہر ایک یہ احساس پیدا کرلے کہ ہم دھوکے میں ہیں۔

موت، قیامت کا مرحلہ اولیٰ

مزید ارشاد فرمایا: حتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ "یہاں تک اللہ کا امر (موت) آپہنچا"۔ پس قیامت کا پہلا مرحلہ موت ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے قریب سے گزرتے یا قبرستان میں جاتے تو قبر کو دیکھتے ہی زارو قطار رونا شروع ہوجاتے، اتنا روتے کہ ان کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہوجاتی، ہچکی بندھ جاتی، ساتھ موجود احباب پوچھتے کہ جنت و دوزخ کے ذکر کے وقت آپ کبھی اتنا نہیں روئے جتنا قبر کو دیکھ کر روتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "موت اور قبر قیامت کا پہلا مرحلہ ہے" اگر اس میں ناکام ہوئے تو قیامت میں کامیابی کی کوئی سبیل نہیں ہے اور اگر موت کے بعد قبر کے اس امتحان میں کامیاب ہوگئے تو قیامت میں کامیابیاں ہی کامیابیاں ہیں۔ فیصلہ قیامت کا اس قبر میں ہوجانا ہے۔ اس لئے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ "قیامت قریب ہے" اس کا مطلب ہے کہ مرنے والے کی قیامت قریب آگئی کیونکہ موت، قیامت کا مرحلہ اولیٰ ہے، مرنے والے کو قیامت کے سالوں اور صدیوں کو گننے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ ہر انسان کی موت اس کی قیامت ہے۔ اب خود سوچیں ہماری زندگی اور قیامت میں کتنا فاصلہ ہے۔ ایک قدم کا فاصلہ بھی نہیں، موت کسی بھی لمحے آسکتی ہے۔ موت، قبر اور برزخ یہ قیامت کا پہلا مرحلہ ہے، مرنے والے کا روز محشر اسی وقت سے شروع ہوجاتا ہے، اس کا عذاب و ثواب شروع ہوجاتا ہے پھر ارشاد فرمایا:

وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ. (الحدید، ۵۷:۱۴)

''اور تمہیں اللہ کے بارے میں دغا باز (شیطان) دھوکہ دیتا رہا''۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ. ''پس آج کے دن (اے منافقو!) تم سے کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا''۔

اگر کچھ دنیا میں کر کے لائے ہو تو وہی کام آئے گا۔ اس لئے کہ

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا.

''موت و حیات کو تخلیق کیا تاکہ وہ جانے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے''۔

آج تو صرف تول ہو رہا ہے، اعمال کرنے تھے تو دنیا میں کرنے تھے۔

دنیا کی زندگی ایک دھوکہ ہے

اور وہ دھوکہ کیا ہے جو شیطان ہمیں دیتا رہا اور ہم اس دھوکے میں ہیں۔ اس بارے ارشاد فرمایا:

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ. (الحدید، ۵۷: ۲۰)

''جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے''۔

اور کھیل تماشے میں جس طرح ہر کوئی خوش ہوتا ہے اس طرح ہم بھی اس دنیا میں خوش ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر قرن کے رہنے والے ایک شخص کے بارے پوچھا کہ قرن میں رہنے والے اویس نامی شخص کو جانتے ہو؟ کسی جاننے والے نے کہا کہ ہم جانتے ہیں، ان دونوں حضرات نے پوچھا کہ کیا جانتے ہو؟ وہ شخص کہنے لگا کہ دیوانہ سا ہے، جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے اور جب لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی یہ حالت اس لئے ہے کہ وہ جانتے ہیں جب وہ لوگوں کو ہنستا ہوا دیکھ کر روتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کاش یہ جانتے ہوتے کہ آگے کیا ہونا ہے تو پھر یہ نہ ہنستے، وہ لوگوں کی محرومی، بے خبری، انجام پر روتے ہیں کہ یہ انجام سے بے خبر لوگ کھیل تماشے میں ہنس رہے ہیں اور جب لوگ روتے ہیں تو حضرت اویس قرنی ہنستے ہیں، لوگ اس وقت روتے ہیں جب مال لٹ جائے، نقصان ہو جائے، دکھی ہو جائے اور جب دنیا کا دکھ ہوتا ہے تو روتے ہیں، اس وقت ان کی اس حالت پر حضرت اویس قرنی ہنستے ہیں کہ تم اس دکھ پر رو رہے ہیں اور اگلے دکھ کی تمہیں خبر ہی نہیں اور ہنسنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کس دکھ پر رو رہے ہیں، بھلا یہ دکھ کوئی رونے کا ہے۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو عرفاء اپنے طریق اور اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ جب باتیں ہو چکیں اور ملاقات ختم ہونے لگی تو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ''ملاقات ہو گئی اب آپ تشریف لے جائیں، بڑی ملاقات کا دن آنے والا ہے، میں نے اس کی تیاری کرنی ہے''۔ دو ملاقاتوں کا وقت آنے والا ہے یعنی ایک ''اس (اللہ) کی'' اور ایک ''ان کی (محمد ﷺ)۔ دونوں ملاقاتیں بڑی ہیں، معلوم نہیں اویس کس ملاقات کی بات کر رہے تھے۔ آگے ارشاد فرمایا:

وَزِيْنَةٌ ''دنیا کی زندگی صرف ظاہری آرائش ہے''۔

اس لئے دھوکے میں ہے کیونکہ ظاہری زیب و زینت انسان کو دھوکا دیتی ہے۔ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ ''اور آپس میں فخر اور خود ستائی ہے''۔ یعنی ''میں'' کے جھگڑے ہیں، وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ''مال و اولاد میں زیادتی کی طلب ہے'' درج بالا آیت کریمہ میں حیات دنیوی کے عناصر میں پانچ چیزیں بیان کیں۔

۱۔ کھیل ۲۔ تماشا ۳۔ ظاہری آرائش

۴۔ آپس میں فخر و خود ستائی ۵۔ مال و دولت میں زیادتی کی طلب (حرص و لالچ)

درج بالا پانچ چیزیں ان لوگوں کو کہی جائیں گی جنہوں نے کہا تھا۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ. (الحدید: ۱۴)

''وہ (منافق) ان (مومنوں) کو پکار کر کہیں گے کیا ہم (دنیا میں) تمہاری سنگت میں نہ تھے''۔ ان کو جواب دیا جائے گا رشتہ، رفاقت اور سنگت تو تھی قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ. ''وہ کہیں گے کیوں نہیں لیکن تم نے اپنے آپ کو (منافقت کے) فتنے میں مبتلا کر دیا تھا''۔ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ ''اور تم (ہمارے لئے برائی اور نقصان کے) منتظر رہتے تھے اور تم (نبوت محمدی اور دین اسلام میں شک کرتے تھے''۔

وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ ''اور باطل امیدوں نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا'' تم آج کے دن بارے شک میں مبتلا ہو گئے، لمبی نیندیں تان کر سورہے خواب غفلت میں رہے، آج کا دن تم عقیدہ میں رکھتے تھے مگر یقین میں نہ رکھتے تھے، یہ تمہارا فکری، نظری، تحریری، تقریری عقیدہ تھا، مانتے اور جانتے تھے مگر یقین نہ تھا کہ موت قیامت کا مرحلہ اولیٰ ہے۔ تم اس دھوکے کو حقیقت سمجھتے تھے اور مرنے کے بعد جو اصل زندگی آرہی ہے اس میں شک رہتا تھا، کہتے تھے کہ سنا تو بہت ہے مگر معلوم نہیں کہ ہوتا ہے یا نہیں، جو قریب ہے اس کو نبھالو اور جو بعد میں ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔

اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ لوگو یہ پانچ چیزیں تمہیں کھا گئیں اور آج تم تاریکی میں مارے گئے، نور والوں سے تم نے نور مانگا اور نور مل نہ سکا کیونکہ نور کا سودا قیامت کے دن نہیں ہوگا بلکہ اس دنیا سے لے کر جانا ہے۔۔۔ اللہ نے حیات دنیوی کی مثال دی کہ ''دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے زیادہ بارشوں سے زیادہ فصل اگتی ہے کسانوں کو بھلی لگتی ہے اور وہ اسی زعم میں رہتا ہے پھر وہ یکایک خشک ہوجاتی ہے پھر تم اسے پک کر زرد ہوتا دیکھتے ہو، وہ ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے اس طرح آخرت میں نافرمانوں کے لئے سخت عذاب ہے'' اور انہیں اللہ کی طرف سے خوشنودی اور مغفرت نصیب نہ ہوگی۔

> حضور نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو قرآن پاک کی سورۃ کی تعلیم کی طرح عذابِ قبر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دیتے

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ. (الحدید: ۲۰) ''اور دنیا کی زندگی دھوکے کی پونجی کے سوا کچھ نہیں ہے''۔

اس کے بعد رب نے منادی دی۔

سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ. (الحدید: ۲۱)

''(اے بندو!) اپنے رب کی بخشش کی طرف تیز لپکو اور جنت کی طرف (بھی)''۔

آیت مبارکہ میں رب کی بخشش کی طرف آہستہ چلنے کا نہیں بلکہ تیزی سے چلنے کا حکم ہے کہ تیزی سے لپکو، مغفرت و بخشش کا سودا بانٹا جارہا ہے۔ مگر افسوس جہاں بخشش و مغفرت کا سودا بک رہا تھا، بازار کھلا تھا اور تم نے اطاعت، عبادت، محبت، صدق خالص، اللہ کی بندگی کے زر سے بخشش و مغفرت کا سودا خریدنا تھا اور بازار تمہاری خاطر کھلا تھا اور تم سودا لینے نہ آئے، اب بازار بند ہوگئے، اس وقت سوداگر جنت کا سودا بیچنے کی خاطر آوازیں دیتے رہے۔

عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ. (الحدید، ۵۷: ۲۱)

''جس کی چوڑائی (ہی) آسمان اور زمین کی وسعت جتنی ہے''۔

تم چند مرلوں اور چند کنالوں پر مشتمل کوٹھی اور مکان کے حصول میں سرگرداں رہے تمہیں کیا معلوم کہ ساری زمین و آسمان کی وسعتیں ایک طرف اور جنت ایک طرف۔

اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ.

ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں''۔

جنت میں جس کو کم سے کم بھی ملے گا اس کی مقدار بھی دنیا سے 10 گنا زیادہ ہے۔ مگر افسوس کہ تم شک میں تھے کہ یہ تو صرف باتیں ہیں۔ کفار بھی انبیاء کو یہی کہا کرتے تھے کہ یہ اگلوں کی کتابوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ پس اس غرور اور دھوکے، شک اور بے یقینی نے ہمیں تباہ کر دیا۔

آخرت اور روز قیامت کو صدیوں اور سالوں میں مت شمار کرو، جس کی موت آئی اس کی قیامت آ گئی اور موت آخرت کا مرحلہ اولیٰ ہے اور قبر سے آخرت و قیامت شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے جو قبر میں بازی جیت گیا اسے قیامت کے دن کا کوئی خوف نہیں۔ جو موت کی پہلی شام قبر کے امتحان میں ناکام ہوگیا اسے قیامت کے دن میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوگی۔ جب اللہ پاک نے اعلان فرمادیا کہ ''اقتربة الساعة'' قیامت قریب آ گئی۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پھر قیامت کے آنے کو شمار نہ کرو کہ قیامت سائنسی اور واقعاتی طور پر کتنی قریب ہے، ہماری زندگیوں میں تو نہیں آئی۔ نہیں، نہیں۔۔۔ یہ سوچ بہت بڑا دھوکا ہے اور یہی دھوکا ہمیں تباہ کر گیا۔ اے انسان تیری قیامت، تو تیری موت کی شام سے آ گئی۔ نیز زندگی اور موت میں ایک قدم کا بھی فاصلہ نہیں ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ. (الانعام، ۶:۹۳)

''اور اگر آپ (اس وقت کا منظر) دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں گے اور فرشتے (ان کی طرف) اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے آئیں گے (اور ان سے کہتے ہوں گے) تم اپنی جانیں جسموں سے نکالو آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا''۔

زمین کی پشت پر چلنے والے، زمین کے پیٹ میں چلے جانے والے کو دیکھ، زندگی کے دن گزارنے والے جن کی زندگیوں کی شام ہوگئی ان کو دیکھ، ہم اس منظر کو ہر روز دیکھتے ہیں۔ آیت مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے کہ ذلت کا عذاب، موت کے ساتھ متصل ہے گویا قیامت آ گئی۔

معلوم ہوا کہ جس کو ہم یوم قیامت، یوم جزاء و ثواب کہتے ہیں وہ موت کی شام ہی سے شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا ہر شخص کے کان میں یہ آواز گونجنی چاہئے کہ

اِقْتَرَبَةِ السَّاعَةِ (میری) قیامت قریب آ پہنچی۔

قبر ہی سے آخرت کے عذاب کا آغاز

قرآن پاک میں منافقوں کو ارشاد فرمایا:

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ. (التوبہ، ۹:۱۰۱)

''عنقریب ہم انہیں دو مرتبہ (دنیا ہی میں) عذاب دیں گے پھر وہ (قیامت میں) بڑے عذاب کی طرف پلٹائے جائیں گے''۔

گویا تین عذاب ہوں گے، عذاب عظیم سے مراد دوزخ کا عذاب ہے، لیکن اس عذاب سے پہلے دو عذاب ہوں گے اور ان میں سے ایک عذاب قبر کا ہے جو قیامت کی ابتداء ہے اور ایک عذاب دنیا کا ہے جو منافقوں کے لئے مقدر کیا گیا تھا۔ بتانا مقصود یہ ہے کہ قبر سے آخرت کا عذاب شروع ہو جاتا ہے۔

وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ. (السجدہ، ۳۲:۲۱)

''اور ہم ان کو یقیناً (آخرت کے) بڑے عذاب سے پہلے قریب تر (دنیوی) عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے تاکہ وہ (کفر سے) باز آجائیں''۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ نہ گنو کہ قیامت کو کتنے سال اور کتنی صدیاں رہتی ہیں کیونکہ فرمایا کہ ایک عذاب قریب تر آ گیا ہے، یہ اقتربة الساعة کی ابتداء ہے، ادھر تمہاری روح قفس عنصری سے پرواز کرے گی اور اگر سودا صحیح پاس نہیں ہے تو عذاب ادنیٰ شروع ہوگیا۔

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لاَيَعْلَمُوْنَ. (الطور، ۵۲:۴۷)

''اور بے شک جو لوگ ظلم کررہے ہیں ان کے لئے اس عذاب کے علاوہ بھی عذاب ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں''۔

قرآن مجید نے ایک تسلسل بیان کردیا کہ مرنے کی دیر ہے اس کے بعد عذاب آخرت شروع ہے، یہ عذاب قبر ہے جس کے ساتھ عذاب قیامت کا اصال ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ، ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ. (التکاثر، ۱۰۲: ۱ تا ۸)

''تمہیں کثرت مال کی ہوس اور فخر نے (آخرت سے) غافل کردیا، یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے ہرگز نہیں (مال و دولت تمہارے کام نہیں آئیں گے) تم عنقریب (اس حقیقت کو) جان لو گے، پھر (آگاہ کیا جاتا ہے) ہرگز نہیں، عنقریب تمہیں (اپنا انجام) معلوم ہوجائے گا۔ ہاں، ہاں کاش تم یقینی علم کے ساتھ جانتے۔ تم دوزخ کو ضرور دیکھ کر رہو گے پھر تم اسے ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا''

مال کے اندر خود بخود پروان چڑھنے والی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ جتنا بڑھتا ہے اتنی ہی ہوس کو بڑھاتا ہے۔ درج بالا آیات کریمہ اور تربیت کے منہاجات، احوال و اعمال کی اصلاح کے لئے طرق اس لئے ذکر کئے کہ ذہن اس طرف نہ جائے کہ قیامت کے قریب آنے کو دماغ/عقل نہیں مانتی اور کیونکہ عقل نہیں مانتی تو انسان شک میں رہتا ہے اور جب شک ہے تو وہ حالت یقین پیدا نہیں ہونے دیتا اور جب یقین نہ آئے تو احوال و اعمال بدل نہیں سکتے۔ پس اس تمام گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ یہ ذہن نشین رہے کہ ہماری قیامت، موت ہے اور وہ ایک قدم سے بھی کم فاصلے پر کھڑی ہے۔

عذابِ قبر سے پناہ کی تلقین

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

انها سالت النبی ﷺ عن عذاب القبر قال نعم عذاب القبر حق فمار أیت رسول الله بعد ذلک صلی صلاة الا تعوذ من عذاب القبر.

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے عذاب قبر کے بارے میں پوچھا؟ فرمایا ہاں عذاب قبر حق ہے۔ اس دن کے بعد عذاب قبر کے بارے (لوگوں کے شکوک و شبہات کو پوچھے بغیر رفع کرنے کی خاطر) حضور ﷺ نے ایک نماز بھی ایسی نہیں پڑھی جس نماز کے اختتام پر آپ نے عذاب قبر سے پناہ نہ مانگی ہو''۔ (السنن الکبریٰ، جلد۱، ص ۳۸۹، حدیث ۱۲۳۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

انه کان یعلمهم هذا الدعا کما یعلمهم السورة من القرآن اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ مَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیٰی وَالْمَمَاتِ.

Scanned with CamScanner

’’حضور ﷺ، صحابہ کرام کو یہ دعا اس طرح سکھاتے اور پڑھاتے تھے جیسے قرآن کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے ’’اے اللہ میں عذاب جہنم سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں دجال کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں اور زندگی و موت کی آزمائش و امتحان سے پناہ مانگتا ہوں۔ (مسند احمد، جلد۱، ص۳۱۱، حدیث ۲۸۳۹)

فکرِ موت اور خوفِ آخرت زندگی کے بدلنے کا نقطہ آغاز ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دیتے۔

اِسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. ’’لوگو! اللہ سے عذاب قبر سے پناہ کی دعا مانگا کرو‘‘

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یارسول اللہ۔ اِنَّهُمْ يُعَذَّبُوْنَهُمْ فِیْ قُبُوْرِهِمْ. ’’کیا قبروں سے ہی عذاب شروع ہوجائے گا‘‘

حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں قبر سے اتنا بڑا عذاب شروع ہوجائے گا جسے تم سن نہیں سکتے، سب جانور اور بہائم سنتے ہیں اور اس عذاب سے قبر میں وہ چیخیں نکلتی ہیں کہ مشرق سے مغرب تک زمین کی ساری مخلوق اس کی آواز سنتی ہے سوائے انسانوں اور جنات کے، ان کو یہ سماع نہیں دیا گیا کیونکہ ان سے حساب وکتاب ہونا ہے۔ قبر کا فرق فقط اتنا ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان ایک پردہ ہے اور پردہ کے پیچھے ان کی آخرت شروع ہے۔

قبر کیا ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا:

روضة الجنة او حضرة من النار (المعجم الاسط، ج۸، ص۲۷۳، حدیث ۸۶۱۳)

’’قبر کسی کے لئے جنت کا باغ ہے یا کسی کے لئے دوزخ کا گڑھا ہے‘‘۔

یعنی یہی قبر جنت بھی ہے اور یہی قبر دوزخ بھی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو لوگ ایسے اعمال کریں کہ ایمان کو ایسا صدق دیں، اعمال کو ایسا خالص کریں، محبت کا زر خالص ہو، نیت میں صدق و اخلاص ہو اور عمل اطاعت و بندگی میں صالح ہو تو اسی دنیا میں وہ اپنی قبر کو جنت بنالیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے ’’کتاب الزہد‘‘ میں روایت کیا ہے، امام ابن الدنیا نے ’’فکر الموت‘‘ اور امام طبرانی نے ’’معجم‘‘ میں، امام حاکم نے متدرک میں روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے ایسے لوگوں کے بارے میں جو قبر کو جنت بنالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

تحفة المومن الموت. ’’مومن کا تحفہ موت ہے‘‘۔ (المستدرک الصحیحین، جلد۴، ص ۳۵۵، حدیث ۷۹۰۰)

امام دیلمی نے مسند الفردوس میں امام حسینؓ سے روایت کیا ہے کہ

اَلْمَوْتُ رَيْحَانَةُ المومن. ’’موت، مومن کا باغ ہے‘‘۔ (الفردوس بما ثور الخطاب، ج ۴ص ۲۳۹ حدیث ۶۷۱۸)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: الموت کفارة لکل مسلم اومومن. (مسند شہاب، جلد۱، ص ۱۳۵، حدیث ۱۷۳)

’’موت، مومن/مسلم کے لئے کفارہ ہے‘‘۔

یعنی کئی تکالیف جو زندگی میں اسے ملیں، اللہ کے لئے اسے طعن و تشنیع کو برداشت کرنا پڑا، مرحومیاں مقدر بنی، موت ان تمام محرومیوں کا کفارہ اور تلافی ہے دنیا میں جو کچھ نہیں ملا، موت اس کا کفارہ ہے۔

Scanned with CamScanner

مومن کی روح کو دیدارِ الٰہی کا عطا کیا جانا

مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۴۶ میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب مومن دنیا سے تعلق توڑتا ہے اور آخرت کی طرف منہ کرتا ہے تو اس کی موت کے وقت ملائکہ سفید، نورانی چہروں کے ساتھ اترتے ہیں اور ان کے ساتھ جنت کا کفن ہوتا ہے (ایک حدیث مبارکہ میں یوں بھی آیا ہے کہ تمہارے کفن میت کے جسم کے لئے ہیں اور اگر مرد مومن ہے تو اس کی روح کا کفن جنت سے آتا ہے، یعنی جسم کا کفن ورثاء دیتے ہیں اور اس کی روح کا کفن رب ذوالجلال جنت سے بھیجتا ہے) اور پھر جنت کی خوشبوئیں بھی اس کفن کے ساتھ ہوتی ہیں اور پھر ملائکہ دور فاصلہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ملک الموت آتا ہے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے۔ یَاۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّة. ''اے نفس مطمئنہ''۔ آ تجھے اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کے باغوں میں لے چلوں پھر اس کی جان نکل جاتی ہے۔۔۔ اور پھر اسے جنت کا کفن پہنایا جاتا ہے جو تم نہیں دیکھتے۔۔۔ اور جنت کی خوشبوئیں لگائی جاتی ہیں اور دنیا کی تمام کستوریاں بھی مل کر اس خوشبو کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔۔۔ اور پھر اس کو آسمانی سواری پر بٹھادیا جاتا ہے اور سوار کرکے اس روح کو آسمانوں پر لے جایا جاتا ہے اور ملائکہ کے گروہ میں پہنچایا جاتا ہے۔۔۔ اس روح کو فرشتوں کے جھرمٹ میں سواری پر بیٹھے دیکھ کر فرشتے کہتے ہیں۔ ماھذا الروح الطیب ''یہ پاکیزہ روح کس کی ہے''۔۔۔ فرشتے جواب دیتے ہیں فلان ابن فلان ''یہ فلاں ہے فلاں کا بیٹا'' اور فرشتے اچھے القاب واسماء کے ساتھ اس کا نام لیتے ہیں جن القاب واسماء کے ساتھ تم اسے یہاں دنیا میں پکارتے تھے۔۔۔ اور پھر وہ کہتے ہیں کہ آسمانوں کو یکے بعد دیگرے اس کے لئے کھول دیں۔ پس یکے بعد دیگرے ساتوں آسمانوں کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (پس معلوم ہوا کہ مرد مومن/ صالح کی روح میت کے ساتھ سیدھی قبر میں نہیں جاتی بلکہ پہلے سات آسمانوں کے پار جاتی ہے) اور پھر اس کو سات آسمانوں سے اوپر لے جایا جاتا ہے اور مالائے اعلیٰ میں اللہ کے حضور پیش کیا جاتا ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اکتبوا کتاب عبدی فی علیین ''میرے اس بندے کا نام علیین (خاص مقرب افراد) کے رجسٹر میں درج کردو''۔۔۔ اب اس کو زمین پر واپس قبر میں لے جاؤ (دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جب روح، اللہ کے حضور پیش کی جاتی ہے تو ملائکہ اللہ سے ہمکلام ہونے سے پہلے سجدہ کرتے ہیں اور روح اللہ کو سجدہ کرنے کی اجازت مانگتی ہے اور پھر فرمایا جاتا ہے کہ اس روح کو مجھے سجدہ کرنے کی اجازت ہے، وہ روح اللہ کے حضور سجدہ کرتی ہے پھر حکم ہوتا ہے کہ اس کا نام علیین کی کتاب میں لکھ لو اور واپس زمین پر قبر میں لے جاؤ۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۲۸۷) اور پھر اس کی روح اس کے جسم میں واپس لوٹادی جاتی ہے۔۔۔ اور اس سفر کے بعد قبر کے سوالات کا مرحلہ شروع ہوتا ہے (اب سوچیں کہ وہ روح جو اللہ کو سجدہ کرکے، اپنا نام علیین میں لکھوا کر آئی ہے اس سے منکر نکیر کے سوالات کا عالم کیا ہوگا اور اس کے جوابات کا عالم کیا ہوگا۔) پھر فرشتے آتے ہیں اور اس سے سوالات کرتے ہیں اور جب وہ جوابات دے دیتا ہے اور امتحان میں کامیاب ہوجاتا ہے تو پھر ایک نداء دینے والا نداء دیتا ہے۔ اَنْ صَدَقَ عَبْدِیْ ''میرے بندے نے سچ کہا'' (گویا اس کی تصدیق پر اللہ گواہی دے رہا ہے۔ اے لوگو! بدل جاؤ۔۔۔ آپ کو اندازہ ہی نہیں کہ اس بدلنے کا صلہ کیا ملنے والا ہے۔ ہم دھوکے میں ہیں۔ اس دنیا کی راحت کوئی راحت نہیں ہے۔ راحت تو وہ ہے کہ جب ایک حدیث مبارکہ کے مطابق 70 ہزار فرشتے اپنے جھرمٹ میں لے کر روح کو آسمان کی طرف جاتے ہیں اور اس روح کی قبر میں آنے سے قبل معراج ہوتی ہے۔) پھر آواز آتی ہے کہ جنت کا بستر منگوا کر اس کا فرش بچھادو، اس کی قبر میں جنت کا بستر لگ جاتا ہے۔۔۔ اور کہا جاتا ہے کہ اسے جنت

کا لباس پہنادو (گویا آخرت شروع ہوگئی) اور مغرب کی سمت کی طرف اس کا دروازہ کھول دو۔۔۔ (گویا قبر میں اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور قبر 70/70 گز لمبائی و چوڑائی میں وسیع کردی جاتی ہے اور قبر ایک قسم کا ڈرائنگ روم بن جاتا ہے کہ اصل رہائش اور ٹھکانہ اور قیام گاہ تو جنت ہے اور قبر ملاقات کی جگہ بن جاتی ہے جب کوئی سلام کرنے آتا ہے تو دروازے سے آکر اس ڈرائننگ روم (قبر) سے اس کے سلام کو سنتی ہے اور جواب دیتی ہے اور پھر آرام کرنے کے لئے اپنے بیڈروم یعنی جنت میں چلی جاتی ہے، قبر دروازہ کھول دیا گیا ہے اب کبھی وہ قبر میں ہے اور کبھی جنت میں ہے اور قبر بھی روضة من الجنه جنت کا باغ ہے۔۔۔ اور جہاں تک اس کی نگاہ جاسکتی ہے اس کی قبر وسیع کردی جاتی ہے۔۔۔ پھر ایک خوبصورت شخص آتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ تمہیں مبارک ہو کہ جس کی وجہ سے آج تیرے لئے ساری آسانیاں ہوگئیں ہیں۔ یہ تمہارا دن ہے اس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ (پس اصل زندگی وہ ہے جس نے ختم نہیں ہونا ہم دھوکے میں ہیں۔ یہ زندگی نہیں ہے۔۔۔۔ یہ سیراب ہے۔۔۔ متاع الغرور ہے اس دھوکے سے نکل آؤ) قبر والے اس حسین شخص سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ اس وقت وہ بولے گا انا عملک صالح میں تمہارے نیک عمل ہوں۔۔۔

> آخرت اور روز قیامت کو صدیوں اور سالوں میں مت شمار کرو، جس کی موت آئی اس کی قیامت آگئی اور موت ہی قیامت کا مرحلہ اولیٰ ہے

جب قبر والا مومن، مرد صالح اپنے ساتھ یہ سلوک دیکھے گا اور قبر کی وسعتیں دیکھے گا اور انوار وتجلیات، بشارتیں، جنت کی راحتیں، مناظر، کیفیات دیکھے گا تو اس وقت دنیا پرلعنت بھیجے گا کہ میں کسی دھوکے میں مبتلا تھا۔ جب وہ یہ راحتیں دیکھے گا تو کہا جائے گا کہ یہ تو تمہیں ابھی صرف آخرت کا ایک چھوٹا سا حصہ ملا ہے تو وہ ان راحتوں اور نعمتوں کو دیکھ کر کہے گا۔

رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةِ ''اے اللہ، قیامت ابھی قائم کردے'' (مسند احمد، جلد۴، ص ۲۸۷)

وہ کہے گا کہ یہ قبر جو جنت کا ایک باغ ہے، جو قیامت کی ایک جھلک ہے، جو آخرت کا ایک نمونہ ہے، اگر تیرا لطف کرم، تیری عنایت اور تیری کریمی کا یہ عالم ہے کہ مجھے اس قدر عزت، راحت ملی ہے، اس قلیل میں یہ راحت ہے تو مولا میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اصل قیامت اور آخرت میں کیا ملنے والا ہے، اے رب اس لئے قیامت ابھی قائم کردے کیونکہ قبر میں اسے ماکنت تقول فی حق ھذا الرجل کے سوال کے دوران حضور ﷺ کا دیدار ہو چکا اس وقت وہ کہے گا کہ اگر اس دیدار کا یہ عالم ہے تو اس دیدار کا عالم کیا ہوگا۔ اس لئے وہ اللہ کے دیدار کے لئے کہے گا کہ مولا قیامت ابھی قائم کردے۔

حورو قصور سب جنت کی زیب و زینت ہیں۔ جس طرح دنیا کی زیب و زینت بنارکھی ہے اس طرح جنت کی بھی زیب و زینت ہے، عاشقوں کو نہ یہاں کی زیب و زینت سے کوئی سروکار ہے اور نہ وہاں کی زیب و زینت سے سروکار۔۔۔ 70/70 حوریں ایک ایک کرکے مومن کے پاس آئیں گی اور پوچھیں گی تو مجھے تکتا نہیں، تجھے میری طلب نہیں ہے اور وہ کہے گا میں تو کسی اور کو تکنے کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ

''جب مومنین اور صالحین کھڑے ہوں گے تو اچانک آواز آئے گی۔ السلام علیکم ''تم پر سلامتی ہو، وہ سر اٹھائیں گے تو سامنے ایک پیکر جمال کو اس کی شان کے لائق دیکھیں گے وہ فرمائے گا انا ربکم ''میں تمہارا رب ہوں'' (ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں مولا ہمیں اس لمحے سے محروم نہ کردینا)۔

اَللّٰھُمَّ الرَّزُقْنَا شَوْقَ لِقَآءِ کَ، وَارْزُقْنَا لَذَّتَ فِیْ نَظْرِ اِلٰی وَجْھِکَ.

حدیث مبارکہ میں ہے کہ یہ سن کر میں تمہارا رب ہوں جیسے کوئی سکتے میں آجاتا ہے یہ کیفیت ان پر طاری ہوجائے گی۔

Scanned with CamScanner

وَیَنظُرُ اِلَیھِم وَیَنظُرُونَ الیه.

''وہ (اللہ) ان (مومنین) کی طرف دیکھے گا اور وہ (مومنین) اس کی (اللہ) کی طرف دیکھیں گے''۔ (صحیح ابن حبان، جلد ۱۶، ص ۴۷۸، حدیث ۷۴۷۷)

پس وہ آپس میں ایک دوسرے کو تکتے ہی رہیں گے اور یہ ہی اللہ والوں کی قیامت ہوگی۔ اللہ جب ان مومنین کو تکے گا تو کہے گا تم ہو جو میری خاطر راتوں کو جاگتے۔۔۔ آنسو بہاتے۔۔۔ روتے اور چیختے تھے۔۔۔ اور وہ تک کر کہیں گے ہاں مولا وہ تو ہی ہے جس کی خاطر ہم راتوں کو جاگتے تھے اس وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا:

اَلمَوتُ خَیرٌ یُوصَلُ الحَبِیبَ اِلَی الحَبِیب. (مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۳۰۹)

''موت خیر کی چیز ہے (دوسری حدیث میں ہے کہ موت ایک پل ہے) عاشقوں کو محبوب سے ملاتی ہے''۔

پس اس کے لئے خود کو بدل ڈالو اور متاع الغرور سے نکل جاؤ تا کہ ہم سب مل کر قیامت کے دن شرمسار نہ ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب اس کے لطف وکرم کی وہ خاص گھڑی آئے تو اس کے اور ہمارے درمیان پردہ گرادیا جائے اور کہا جائے کہ یہ بیکار لوگ ہیں، باتیں بہت کرتے تھے مگر سنورتے نہیں تھے۔ ایسے بنو کہ پردے خود بخود اٹھتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری زندگیوں کے اعمال واحوال کی اصلاح فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

❀❀❀❀❀❀❀

منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن میانوالی کے زیر اہتمام عظیم الشان

منہاج القرآن اسلامک سنٹر میانوالی

کا منصوبہ زیر تعمیر ہے

رقم دی بنک آف پنجاب میانوالی

برانچ کوڈ نمبر 0039 اکاؤنٹ نمبر cd0030170002

میں بذریعہ چیک/ ڈرافٹ یا نقد بھی جمع کرواسکتے ہیں

برائے رابطہ:

محمد ریاض بھیروی

فون۔ 0333-9831239

منجانب: منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن میانوالی سٹی

الحادیث

نبی کی بھول میں امت کیلئے پوشیدہ خیر و برکت

علامہ محمد معراج الاسلام

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے یہ مختصر مگر معنی خیز حدیث پاک بیان فرمائی ہے، جو ان کی کتاب کے خصائص میں سے ہے۔

لَا اَنْسٰی وَلٰکِنْ اُنَسّٰی لِاَسُنَّ. (موطا شریف)

''میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلایا جاتا ہوں، تاکہ ایک سنت قائم کردوں''۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے کہ عوام کی بھلائی کے پیچھے غفلت کارفرما ہوتی ہے، وہ شیطانی اثرات کے باعث بھولتے ہیں مگر نبی کی بھول قدرت کی طرف سے ہوتی ہے تاکہ امت کے لئے ایک راہ عمل متعین فرمادیں اور سہو ونسیان سے پیدا ہونے والے مسائل کے شرعی احکام معلوم ہوجائیں۔ اس اہم شرعی مسئلے کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

شرح و تفصیل

نبی کی ذات ہر لحاظ سے منفرد، سراپا خیر و برکت اور زندگی کے ہر شعبے اور گوشے کے لئے کامل رہنما ہوتی ہے اس کا انداز، نظر، ابرو کا ہر اشارہ، کوئی حرکت اور کوئی بات ایسی نہیں ہوتی جس میں خیر و فلاح کا کوئی پہلو مضمر نہ ہوتا آنکہ اس کی بھول بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتی اور اس میں بھی امت کے لئے خیر بھلائی کا کوئی نہ کوئی عنصر ضرور موجود ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کی ایک مشکل بیان کرتے ہیں جو انہوں نے حضور کریم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کی کہ یارسول اللہ!

اِنِّیْ اَسْمَعُ مِنْکَ حَدِیْثًا کَثِیْرًا اَنْسَاہُ. میں آپ سے کافی حدیثیں سنتا ہوں جن کا بہت سا حصہ بھول جاتا ہے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اُبْسُطْ رِدَآءَ کَ ''اپنی چادر بچھاؤ''۔

فَبَسَطْتُہُ فَغَرَفَ بِیَدَیْہِ ثُمَّ قَالَ ضُمَّ فَضَمَمْتُہُ فَمَا نَسِیْتُ شَیْئًا... بَعْدُ.

''میں نے اپنی چادر بچھادی، آپ نے دونوں ہاتھوں سے چلو بھر کر اس میں ڈالے پھر فرمایا اسے سینے سے لگالو۔ میں نے اسے سینے سے لگالیا اس کے بعد آج تک کوئی چیز نہیں بھولی''۔

خصوصی نگاہ کرم اور فیضان و برکت کے یہ انوار ظاہری آنکھوں سے تو دکھائی نہ دیئے مگر ان کے روحانی اثرات کو انہوں نے واضح طور پر محسوس کیا اور یہ اثرات منقطع بھی نہیں ہوئے بلکہ پوری زندگی پر محیط ہیں اور بے مثل قوت حافظہ کی صورت میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔

جو ہستی اتنی فیض رساں ہو کہ غبی اور کند ذہن لوگوں کو ذہین، روشن دماغ اور یگانۂ روزگار بنادے اس کے

بارے میں یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ کوئی بات بھول سکتی ہے۔

اگر نبی کے بارے میں یہ بات مان لی جائے تو پھر اس کی ذات سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور اس کی نمائندہ حیثیت ہی مخدوش ہوجاتی ہے، اس لئے یہ تسلیم کرنا از حد ضروری ہے کہ کسی بیماری یا عارضے کی وجہ سے نبی پر نسیان اور بھول کا حملہ نہیں ہوتا وہ اس عیب سے پاک ہوتا ہے، البتہ اس کی نمائندہ اور بے مثال حیثیت کی وجہ سے اس پر بھول طاری کی جاتی ہے اور اس کی دو وجہیں ہوتی ہیں، ایک وجہ قرآن پاک نے اور ایک وجہ خود حضور کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔

قرآن پاک بتاتا ہے نبی پر بھول کا عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے طاری کیا جاتا ہے تا کہ خوب سے خوب تر چیز انہیں اور ان کے ماننے والوں کو دی جاسکے۔ ارشاد ہے۔

مَانَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْنُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْمِثْلِهَا.

''جب ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا آپ پر بھول طاری کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل عطا بھی فرمادیتے ہیں''۔

اور حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

ہم پر بھول اس لئے طاری کی جاتی ہے تا کہ ہم کسی عمل کو قانونی شکل اور شرعی حیثیت دے سکیں اور وہ عمل امت کے لئے رہنما قانون بن جائے جس کی روشنی میں وہ اپنے لئے راستہ تلاش کرسکیں، ارشاد گرامی ہے:

لَا اَنْسٰى وَلٰكِنْ اُنَسّٰى لِاَسُنَّ.

''ہم بھولتے نہیں ہیں بلکہ ہمیں بھلایا جاتا ہے تا کہ ایک سنت قائم کردیں'' اور بعد میں آنے والے ٹھوکریں نہ کھاتے رہیں۔

اگر اللہ کے نبی کی یہ حیثیت کسی انسان کے پیش نظر ہو تو پھر اسے یہ بھول عیب نظر نہیں آتی بلکہ کمال دکھائی دیتی ہے اور حقیقت میں یہ کمال ہی ہے جسے سطح بین لوگ عیب سمجھنے لگ جاتے ہیں اور وہ صرف بھول والے پہلو کو لے کر عظیم ہستی کو اپنی نامعقول ہستی پر قیاس کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔

> جو ہستی اتنی فیض رساں ہو کہ غبی اور کند ذہن لوگوں کو ذہین اور روشن دماغ بنادے اس کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ کوئی بات بھول سکتی ہے

''چہ نسبت خاک را با علم پاک''

نبی پر بھول اس لئے طاری کی جاتی ہے تا کہ امت کے لئے ایک راہنما طریقہ قائم ہوجائے اس کی مثال وہ بھول ہے جو آپ پر ایک دفعہ نماز میں طاری کی گئی۔

اور وہ بھول جو امت کے لئے خوب سے خوب تر کی تلاش کے مصداق، نبی پر طاری کی جاتی ہے اس کی مثال شب قدر کی بھول ہے۔ دونوں بھولیں یکے بعد دیگرے ذکر کی جاتی ہیں۔

نماز کی بھول

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں: ایک دفعہ دن کی نماز میں حضور ﷺ نے چار کی بجائے دو رکعتیں پڑھ کر ہی سلام پھیردیا، اس وقت چہرہ انور پر کچھ جلال کے آثار نمایاں تھے اس لئے کسی کو آگے بڑھنے یا کچھ پوچھنے کی جرات نہ ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما موجود تھے لیکن آج وہ بھی دم بخود تھے۔ آخر ایک شخص نے ہمت کی جسے سرکار پیار سے ذوالیدین کہا کرتے تھے۔

اَقُصِرَتِ الصَّلٰوةُ اَمْ نَسِيْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ. ''حضور! نماز کم کردی گئی ہے، یا آپ بھول گئے ہیں''۔

Scanned with CamScanner

سرکار نے فرمایا: دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ اس نے عرض کی: آقا! آپ نے دو رکعتیں ادا فرمائی ہیں حالانکہ چار ادا فرمانا تھیں۔

اب حاضرین نے بھی جرات کی اور کہا: ذوالیدین ٹھیک کہہ رہا ہے۔ حضور کریم نے دو رکعتیں اور ادا فرمائیں اور آخر میں سجدہ سہو ادا کیا۔ اس طرح آپ کی بھول سے امت کے لئے ایک قانون بن گیا کہ جو شخص نماز میں بھول جائے وہ اس طرح سجدہ سہو ادا کر کے اپنی نماز کی تکمیل کرے۔

شب قدر کی بھول

قرآن پاک میں بتایا گیا ہے ماہ رمضان میں ایک رات آتی ہے جسے شب قدر کہتے ہیں یہ رات ہزار مہینوں سے افضل ہے جو خوش قسمت انسان اس رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اسے ہزار ماہ کے برابر عبادت کا ثواب مل جاتا ہے۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ اگر اسے یہ لالچ دے دیا جائے کہ اسے تھوڑے سے کام کا بہت زیادہ یا بے حد حساب یا اس کی توقع سے بڑھ کر اجر اور معاوضہ دیا جائے گا تو وہ اس کام میں بڑی کشش محسوس کرنے لگ جاتا ہے اور اسے بڑی لگن، انتہائی شوق اور پیار سے انجام دیتا ہے۔ خواہ وہ کام کتنا تھکا دینے والا اور دیر طلب ہو، وہ پھر بھی اس میں کوئی تھکاوٹ اور اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ اپنی ہی دھن میں بڑی خوشی سے اس کام میں منہمک رہتا ہے، اس رغبت، لگن ذوق وشوق اور انہماک وتوجہ کے پیچھے وہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے جو بے حساب اجر وثواب کے تصور سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

ایک دفعہ رمضان کا مہینہ شروع ہوا تو حضور کریم ﷺ نے اعتکاف کا ارادہ فرمالیا بہت سے صحابہ کرام بھی اسی نیت سے مسجد میں پہنچ گئے تاکہ حضور کریم ﷺ کے ساتھ وہ بھی شب و روز عبادت میں مصروف رہیں اور شب قدر کا ثواب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

ابتداء میں حضور ﷺ کا دستور مبارک یہ تھا کہ رمضان المبارک کے پہلے عشرے یعنی دس دنوں کا اعتکاف مکمل کر کے آپ اعتکاف سے باہر آجایا کرتے تھے چنانچہ اس دفعہ بھی آپ نے ایسا ہی کیا جب دس دن گزر گئے تو آپ اعتکاف سے باہر آ گئے دیگر معتکف حضرات بھی اپنے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

اِنَّ الَّذِیْ تَطْلُبُ اَمَامَکَ. ”جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ آگے ہے“۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے معتکف حضرات کو واپس بلالیا اور بتادیا کہ شب قدر آگے ہے اس لئے سب واپس آجائیں اور رمضان کے درمیانی عشرے کا بھی اعتکاف کریں۔ سب حضرات اسی رغبت وشوق کے ساتھ واپس آ گئے اور از سرے نو اعتکاف میں بیٹھ گئے تا آنکہ یہ درمیانی عشرہ بھی گزر گیا۔

حضرت جبریل امین علیہ السلام پھر نازل ہوئے اور بتایا جو کچھ آپ طلب کر رہے ہیں وہ آگے ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے معتکف حضرات کو پھر حکم دیا کہ آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھنے کے لئے بھی تیار ہو جائیں اور وہ حضرات بخوشی تیار ہو گئے اس لئے کہ شب قدر کی عبادت کا بے حد وحساب اور توقع سے بڑھ کر ثواب ان کے سامنے تھا اس لئے وہ اس کی تلاش کے عمل میں کوئی تکان، کسی قسم کی اکتاہٹ یا اداسی محسوس نہیں کر رہے تھے۔

ان کے اس جذبہ صادق، خلوص نیت اور ذوق وشوق سے حضور کریم ﷺ بے حد متاثر ہوئے اور ارادہ فرمالیا کہ ان پُر شوق، سچے پروانوں کو شب قدر سے آگاہ کر دیا جائے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِیُخْبِرَنَا بِلَیْلَةِ الْقَدْرِ.

> ’’ہم پر بھول اس لئے طاری کی جاتی ہے تاکہ ہم کسی عمل کو قانونی شکل اور شرعی حیثیت دے سکیں اور وہ عمل امت کے لئے رہنما قانون بن جائے‘‘ (حدیث مبارکہ)

’’حضور کریم ﷺ باہر نکلے تاکہ ہمیں شب قدر کی خبر دیں‘‘۔

مگر جب آپ مسجد میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو آپ پر بابرکت بھول طاری کردی گئی آپ نے فرمایا:

قَدْ اُرِیْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا.

’’ہمیں یہ رات دکھادی گئی تھی پھر یہ بھلادی گئی ہے‘‘۔

لیکن اس کے بھول جانے سے تمہیں دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے یہ بھول معنی خیز اور بابرکت ہے۔

فَعَسٰی اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ. ’’پس ممکن ہے کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہو‘‘۔

فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْهَا فِيْ كُلِّ وِتْرٍ. ’’اب تم اسے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو‘‘۔

اس بھول میں جو برکت وحکمت کارفرما تھی اس کی ایک جھلک یہ ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ. یعنی کارکنان قضاء قدر کی طرف سے انسان کے ساتھ اس کی نیت کے مطابق سلوک کیا جاتا ہے کچھ لوگ کسی خاص مقدس جگہ حاضر ہوں تو بھی غیر حاضر لکھے جاتے ہیں اور کچھ غیر حاضر بھی ہوں تو انہیں حاضر باش قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

ہم حضور ﷺ کے ہمراہ میدان جہاد کی طرف جارہے تھے کہ آپ نے فرمایا:

اِنَّ اَقْوَامًا بِالْمَدِيْنَةِ خَلْفَنَا مَاسَلَكْنَا شِعْبًا وَلَا وَادِيًا اِلَّا وَهُمْ مَعَنَا فِيْهِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ.

’’مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ ہمارے پیچھے موجود ہیں جو کسی مجبوری اور عذر کی بناء پر ہمارے ساتھ نہیں آسکے، لیکن وہ اپنے حسن نیت کی وجہ سے ہمارے ساتھ ثواب میں شریک ہیں ہم جس وادی یا گھاٹی پر چلتے ہیں وہ معنوی لحاظ سے ان مقامات پر ہمارے ہمراہ ہوتے ہیں‘‘۔

اگر ایک شخص سچے دل سے کوئی نیک کام کرنے کی نیت کرلے لیکن بعد میں کسی مجبوری کے باعث اسے انجام نہ دے سکے پھر بھی حسن نیت کی بدولت اسے ایک نیکی کا ثواب عطا کردیا جاتا ہے۔

قیامت کے دن ایک شخص کے نامہ اعمال میں لاکھوں نیکیوں کا ثواب درج ہوگا وہ شخص حیرت زدہ ہوکر پوچھے گا: دنیا میں ایسے بڑے بڑے نیک کام میں نے نہیں کئے تھے میرے اندر اتنی استطاعت اور مالی قوت ہی نہیں تھی پھر ان کا ثواب میرے نامہ اعمال میں کیسے درج کردیا گیا ہے۔ اسے بتایا جائے گا یہ سب تیرے حسن نیت کا پھل ہے اگرچہ تو نے یہ کام نہیں کئے مگر تیری خواہش اور نیت تھی کہ انہیں انجام دے۔ اس لئے تجھے ان کا ثواب عطا کردیا گیا ہے۔

صحابہ کرام مسجد نبوی میں شب قدر پانے کے لئے معتکف ہوئے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے جذبہ صادق سے متاثر ہوکر انہیں شب قدر بتانے کے لئے تیار ہوگئے۔ اگر آپ بتادیتے تو حضرات صحابہ کرام اسی رات عبادت کرکے واپس آجاتے اور خوش ہوتے کہ انہیں شب قدر مل گئی مگر آپ پر بھول طاری کردی گئی جس کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ بدستور معتکف رہے چونکہ وہ شب قدر کی تلاش میں معتکف تھے، اس لئے حسن نیت کے باعث انہیں ہر رات شب قدر میں عبادت کرنے کا ثواب مل گیا اور اس بابرکت بھول کے باعث ہر رات شب قدر بن گئی۔ بعد میں آنے والے امتیوں کے لئے بھی اس رات کو قطعی متعین نہیں کیا گیا بلکہ بتایا گیا یہ آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہوتی ہے تاکہ بعد والوں کو بھی حسن نیت کے باعث کم از کم پانچ شبہائے قدر کا ثواب تو مل جائے۔

یہ ایک رمضان المبارک کا واقعہ ہے جب آپ پر یہ بھول طاری کی گئی اس کے بعد جتنے رمضان المبارک آئے ان میں آپ کو پتہ ہوتا تھا کہ فلاں رات ''شب قدر'' ہے اور خاص خاص لوگوں کو آپ بتا بھی دیتے تھے مگر یہ برگزیدہ حضرات بھی یہ علم عام نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ صرف ایک رات ہی عبادت میں نہ گزاریں بلکہ زیادہ سے زیادہ راتیں جاگیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور بتایا کہ ابن مسعود کہتے ہیں اگر کسی کو شب قدر پانے کا شوق ہو تو وہ سارا سال جاگے اور ہر رات عبادت میں گزارے اس طرح وہ شب قدر پانے میں کامیاب ہوجائے گا۔

حضرت ابی بن کعب نے جواب دیا:

خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ انہیں شب قدر کا علم ہے مگر وہ تمہیں اس لئے نہیں بتاتے تاکہ تم ایک ہی رات پر اکتفا نہ کرو۔

يَغْفِرُ لَابِیْ عَبْدَالرَّحْمٰنِ لَقَدْ عَلِمَ اَنَّهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَاِنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ وَلٰكِنَّهٗ اَرَادَ اَنْ لَّا يَتَّكِلَ النَّاسُ.

''اللہ پاک ابن مسعود پر رحم فرمائے بے شک وہ جانتے ہیں کہ یہ رات آخری عشرہ میں ہوتی ہے اور ستائیسویں رات ہے لیکن وہ بتاتے نہیں تاکہ لوگ اسی پر قناعت کر کے نہ بیٹھ جائیں''۔

پھر حضرت ابی بن کعب نے اس شخص کو بتایا میں بھی اس کا علم رکھتا ہوں۔

وَاللّٰهِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنَّهَا لَفِیْ رَمَضَانَ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَیَّ لَيْلَةٍ هِیَ هِیَ اللَّيْلَةُ الَّتِیْ اَمَرَنَا بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِيَامِهَا هِیَ لَيْلَةُ صَبِيْحَةِ سَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ.

''اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک وہ رمضان میں ہے اور بخدا میں جانتا ہوں کہ وہ کونسی رات ہے یہ وہی رات ہے جس میں بھرپور طریقے سے عبادت کرنے کا ہمیں حضور پاک ﷺ نے حکم دیا تھا اور وہ ستائیسویں رات ہے'' ❀❀

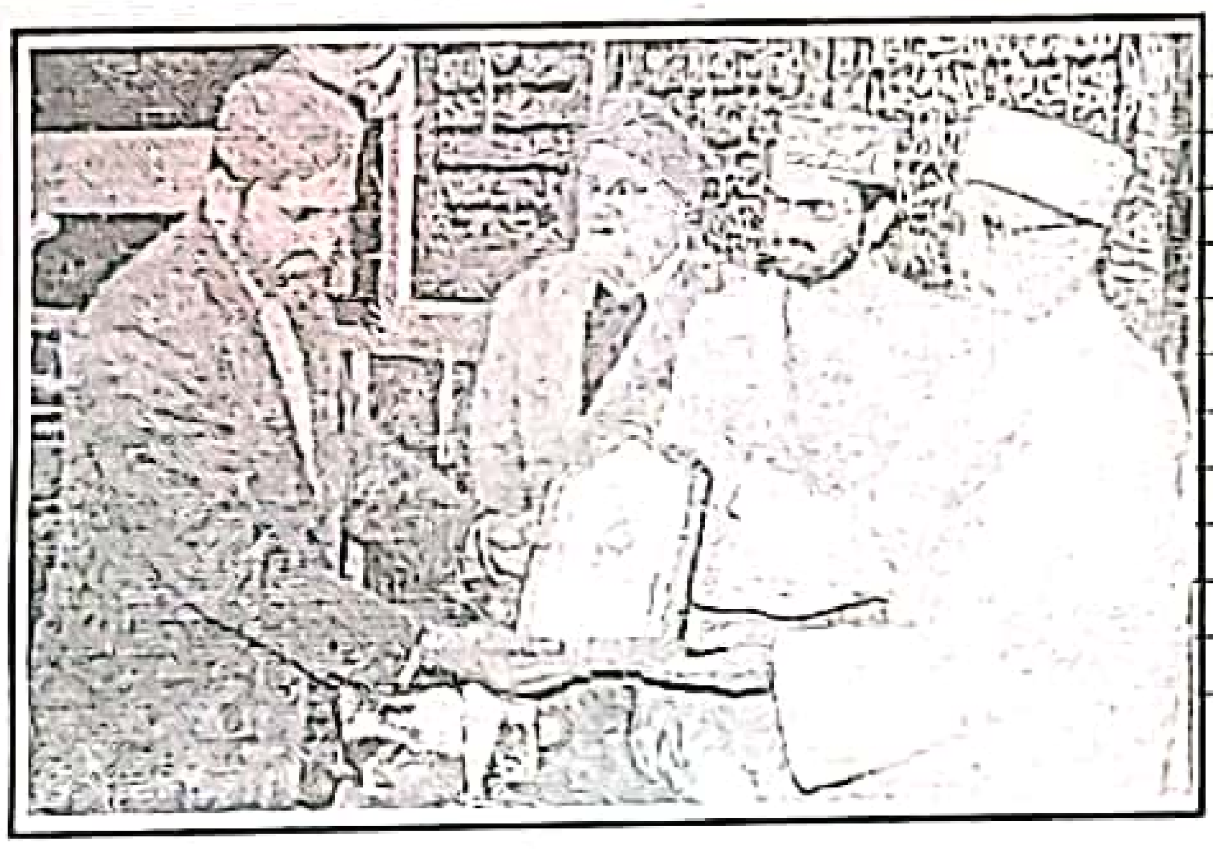

ہم

امیر منہاج القرآن انٹرنیشنل لندن

محترم علامہ محمد صادق قریشی

کو ان کی بے مثال خدمات کے اعتراف میں حضور شیخ الاسلام سے

ستارہ منہاج ایوارڈ ملنے پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے

مبارک باد پیش کرتے ہیں

منجانب: قاری جمیل احمد و جملہ اعلیٰ عہدیداران منہاج القرآن انٹرنیشنل لندن

حصہ دوم

صحیح البخاری کی روشنی میں

مقام و محبتِ مصطفیٰ ﷺ — تمثلِ ارواح — علم الغیب — حقیقتِ بدعت

شخصیت پرستی — محبتِ اولیاء — تصوف

کے موضوعات پر

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا برمنگھم UK میں دورہ صحیح البخاری

کی دوسری نشست میں علمی و تحقیقی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف (منہاجین)

پہلی نشست کا خلاصہ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دورہ صحیح البخاری کی پہلی نشست (اشاعت: ماہ نومبر 06، ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین) میں عقائد اہل سنت اور فقہ حنفی سے متعلق متعدد اشکالات کا ازالہ فرمایا۔ آپ نے اپنی ابتدائی گفتگو میں سند/ اسناد کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ سند جو راویوں کے ناموں کا ایک سلسلہ ہے اصل میں وہی دین ہے اس لئے کہ اگر یہ نام اور شخصیتیں قابل اعتماد ہوں گی تو تب ہی آگے آنے والے متنِ حدیث پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ لہذا اہل سنت پر شخصیت پرستی کا لیبل لگانے والے روایت حدیث کو قبول ہی نہ کریں کیونکہ ان راویوں کی شخصیت کو ہی پہلے مان کر معترضین متن حدیث کی قبولیت یا عدم قبولیت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام نے مزید فرمایا کہ امام بخاری کے اساتذہ کرام کی اکثریت فقہ حنفی سے تعلق رکھتی تھی نیز آپ کے والد گرامی بھی امام اعظم کے شاگرد تھے۔ علاوہ ازیں صحیح البخاری کے فروغ میں حنفی آئمہ کا عمل دخل ہے۔ شیخ الاسلام نے صحیح البخاری کے ترجمۃ الباب اور حدیث الباب کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ صحیح البخاری کے ترجمۃ الباب، امام بخاری کا اجتہاد اور ان کی فقہ ہے نہ کہ حدیث مصطفیٰ ﷺ۔ اس لئے کہ صحیح البخاری صرف حدیث ہی کی کتاب نہیں بلکہ امام بخاری کی فقہ بھی ہے اور وہ اپنی فقہ/ اجتہاد کو ترجمۃ الباب میں ذکر کرتے ہیں۔ لہذا امام بخاری کی فقہ/ اجتہاد سے اختلاف کیا جاسکتا ہے کیونکہ اگر امام بخاری کی فقہ کو ماننے والے فقہ امام اعظم سے اختلاف کرسکتے ہیں تو فقہ امام بخاری سے اختلاف کیوں نہیں ہوسکتا۔ نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ علمی و فقہی اختلاف کو ہرگز گستاخی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ بعد ازاں شیخ الاسلام نے صحیح البخاری کے تراجم الابواب پر بحث کرتے ہوئے رفع یدین، آمین بالجہر، قرأت خلف الامام اور امام اعظم پر ہونے والے دیگر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ امام اعظم کی فقہ حنفی احادیثِ صحیحہ پر قائم ہے۔ یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ صحیح البخاری میں امام بخاری نے جملہ صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام نہیں فرمایا۔ لہذا معترض کا یہ اعتراض بھی رد ہوجاتا ہے کہ جو حدیث، صحیح البخاری میں نہیں ہے وہ صحیح نہیں۔ پس صحیح البخاری سے باہر بھی کثیر صحیح احادیث موجود ہیں جنہیں آئمہ حدیث نے اپنی اپنی کتب میں درج فرمایا۔

Scanned with CamScanner

کتاب البدء الوحی

باب الاول: کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ''حضور ﷺ پر وحی کا آغاز کیسے ہوا''۔

☆ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ عَلَی الْمِنْبَرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ مَا نَوٰی وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُهَا اَوْ اِلَی امْرَاَۃٍ یَنْکِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ.

''میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو تا کہ اسے حاصل کرے یا کسی عورت کی جانب ہو کہ اس سے شادی کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی''۔

یہ حدیث مبارکہ صحیح البخاری میں سات مقامات پر مذکور ہے۔ امام بخاری نے صحیح البخاری کی ابتداء ''کتاب البدء الوحی'' (حضور ﷺ پر وحی کی ابتداء) سے کی اور پہلی حدیث جو اس کتاب میں لائے ہیں اس میں وحی کا کوئی ذکر نہیں۔ جہاں ایسی صورت ہو تو محدثین ترجمۃ الباب اور حدیث الباب کے درمیان ربط کو واضح کرتے ہیں کہ مصنف نے ایسا کیوں کیا؟ مصنف بذاتِ خود اس ربط کو بیان نہیں کرتا۔ امام بخاری کے ہاں کبھی بھی ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں بے ربطگی نہیں پائی جاتی، کوئی نہ کوئی ربط ضرور ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اس ترجمۃ الباب کے تحت اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں۔ محدث اس کے بعض پہلوؤں سے اتفاق و اختلاف کر سکتا ہے۔

ہجرت، وحی اور نیت کا باہمی ربط

حدیث کا مضمون ہجرت ہے، باب کا عنوان ہے بدء الوحی، اس کے درمیان ربط کے کئی گوشے ہیں ان میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ ہجرت کا معنی کسی عمل یا جگہ کو چھوڑ دینا اور اس سے علیحدہ ہو جانا ہے۔ وحی کا معنی ہے کہ نبی کا اللہ کے ساتھ ایسا جڑ جانا کہ اللہ کے کلام کے ساتھ ان کا اتصال ہو جائے یعنی وحی، اللہ سے ایسے تعلق کی شکل میں پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجے میں کلام الٰہی کا حصول و وصول ہو سکے۔ پس ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں ربط یہ بنا کہ جب کسی سے تعلق بنانا ہو تو کسی سے تعلق چھوڑنا پڑتا ہے، گویا دنیا سے تعلق جب تک نہیں توڑیں گے اس وقت تک رب سے تعلق جوڑا نہیں جا سکتا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں مذکورہ ''انما الاعمال بالنیات'' کے الفاظ میں نیت کا بھی ذکر ہے، اس ربط کا نیت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ نیت کے ساتھ ربط یہ ہے کہ کسی کو چھوڑ دینا تاکہ اس ملاء اعلیٰ کے ساتھ جڑ سکیں یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک آپ کی نیت اللہ کے لئے خالص نہ ہو جائے، نیت میں خالصیت اور للٰہیت ہو تبھی انسان کو کچھ چھوڑنا نفع دیتا ہے اور کہیں جڑنا نفع دیتا ہے۔ اس لئے حضور ﷺ اپنی شہری، گھریلو حتی کہ ازدواجی زندگی ترک کر کے غار حراء میں چلے جاتے اور طویل وقت اس تعلق سے ہجرت فرما کر خلوت میں یکسوئی کے ساتھ اس تعلق کو جوڑتے اور اس تعلق میں اخلاص اور للٰہیت اس کمال تک جا پہنچی کہ پھر پردے ہٹا دیئے گئے اور اللہ نے اس حراء میں حضور ﷺ سے کلام کیا۔ یہ ہجرت، وحی اور اخلاص فی النیت کا باہمی تعلق و ربط ہے۔

لغت عربی میں وحی کے کئی معانی ہیں۔ ان معانی میں ایک معنی ''تیزی سے خفیہ اشارہ کرنا'' بھی ہے۔ امام بخاری نے صحیح البخاری کو ''البدء الوحی'' کے الفاظ سے شروع کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جب اللہ سے تعلق قائم ہوتا ہے تو بہت سی باتیں اشارات میں ہوتی ہیں چونکہ وحی کے معنی میں اشارہ ہے، ہر چیز کو ظاہر نہیں کیا جاتا چنانچہ اولیائے کرام، عرفاء عظام اور صوفیاء کے ہاں

کثرت سے اشارات پائے جاتے ہیں اور ان احباب کے یہ اشارات، انبیاء پر نازل ہونے والی وحی کے فیوضات میں سے ایک فیض ہوتا ہے اور یہ فیوضات نبوت میں سے ایک حصہ ہے۔ اس لئے صوفیاء کہتے ہیں کہ صوفیاء کی زبان اشارہ کی زبان ہوتی ہے۔ لہذا حضور ﷺ کے بعد وحی بند ہوگئی اور اشارات، امت اور اہل اللہ کے لئے برقرار رہے۔ یہ وحی کے معنی اشارہ میں اشارہ ہے۔

اس طرح وحی کا ایک معنی کتابت بھی ہے اور اس سے مراد کتاب بھی ہے کیونکہ قرآن پاک وحی الٰہی ہے اس لئے اس بارے کہا گیا کہ ذلک الکتاب لاریب فیہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ وحی کا ایک معنی مکتوب (لکھا گیا) بھی ہے، مکتوب کا معنی خط ہے۔ پس اس معنی سے اشارہ یہ ملا کہ وحی اللہ اور نبی کے درمیان خط وکتابت بھی ہے۔ اس طرح وحی کا معنی رسالت، الہام اور القاء بھی ہے۔ حضور ﷺ نے مذکورہ حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا۔

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کے لئے ہجرت کی، گھر چھوڑا اور روانہ ہوا تو اس کا مقصود نکاح ہی ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو سوائے نکاح کے کوئی اور اجر نہیں ملے گا مزید ارشاد فرمایا ''جس نے دنیا کے لئے ہجرت کی اس کو سوائے دنیا کے کوئی اور اجر آخرت میں نہ ملے گا'' یعنی ہجرت تو دنیا کے حصول کے لئے کرے لیکن کہے کہ حضور ﷺ کے لئے کی ہے تو اس کو اسی کا اجر ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔ دنیا کے لئے ہجرت کرنے سے منع نہ کیا بلکہ یہ فرمایا کہ نیتوں میں اسے خلط ملط نہ کیا جائے، نیت میں اگر دنیا کے لئے ہجرت ہے تو اسی کا اجر ہوگا ہجرت الی اللہ کا اجر نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

صحیح البخاری کی ابتداء روایتِ عمر رضی اللہ عنہ سے کیوں؟

امام بخاری نے یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف میں 7 مقامات کتاب بدالوحی، باب ماجآء ان الاعمال بالنیہ، کتاب العتق، باب الھجرۃ، کتاب النکاح، کتاب الایمان والنذور اور کتاب الحیل میں ذکر کی اور ساتوں مقامات پر یہ حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ بخاری شریف کی ابتداء روایت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس طعن کو رد کیا جائے کہ بعض لوگ کہتے تھے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ روایت حدیث کے خلاف تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روایت حدیث کے خلاف نہیں تھے بلکہ محتاط تھے۔ ان کی احتیاط کو مخالفت سمجھ لیا گیا، لوگوں کو مغالطہ ہے۔ پس لوگوں کے ذہن میں موجود اس فتنہ کو رد کرنے کے لئے صحیح البخاری کی ابتداء روایت عمر رضی اللہ عنہ سے کی گئی۔

امام بخاری اور ادبِ شیخ کی تعلیم

کتاب بدء الوحی کی پہلی حدیث میں موجود مضمونِ ہجرت کے علاوہ بقیہ چھ مقامات پر مذکور حدیث کا مضمونِ ہجرت تفصیلی ہے اور یہاں اختصار ہے۔ امام بخاری نے اُن تفصیلی مقامات میں سے کسی ایک کو ذکر کرنے کی بجائے اس ہجرت پر مبنی مختصر مضمون کو پہلے کیوں بیان کیا؟

اس سوال کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ امام بخاری چونکہ اہلسنت میں صاحب تصوف، صاحب طریقت، صاحب سلوک، صاحب محبت اور کمال درجہ کے صاحب ادب ہیں اور یہ حدیث مبارکہ چونکہ امام بخاری نے اپنے سب سے اعلیٰ استاد شیخ حمیدی سے سنی، اس لئے حدیث کے مختصر مضمون کے باوجود ادب شیخ کی وجہ سے اس مضمون پر ان سے سنی گئی حدیث کو پہلے ذکر کیا اور ادب شیخ کی تعلیم کی طرف اشارہ کیا۔

Scanned with CamScanner

عملِ عبادت کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرنا جائز ہے

اس حدیث مبارکہ کے علاوہ بقیہ چھ مقامات پر مذکور اس مضمون حدیث میں وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِه کہ ''جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو پس اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے'' کے الفاظ بھی مذکور ہیں۔ اس مقام پر امام بخاری یا ان کے شیخ نے معروف حدیث کی وجہ سے شاید اختصار کے ساتھ اس مضمون کو بیان کر دیا۔

اس حدیث مبارکہ میں ایک اعتقادی نکتہ یہ بھی ہے کہ ہجرت ایک ایسا عمل ہے کہ اگر اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہو تو فی نفسہ عبادت ہے۔ اس لئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ. (النساء، ۴:۱۰۰)

''اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے پھر اسے (راستے میں ہی) موت آ پکڑے تو اس کا اجر محقق ہو گیا''

اعتقاد کا مسئلہ یہ سامنے آیا کہ ہجرت ایک عملِ عبادت ہے نیز عملِ ہجرت اور مہاجرین کی کثرت کے ساتھ فضیلت آئی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیں کہ اگر ہجرت عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا بشمول رسول کے کسی کے لئے نہیں ہو سکتی مگر کمال یہ ہے کہ اس عملِ عبادت کی نسبت حضور ﷺ نے اپنی طرف بھی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

''کہ اگر یہ عمل عبادت (ہجرت) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہو تو اس کو اجر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کا ملے گا''

معلوم ہوا کہ عمل عبادت، ہجرت جیسے عمل کی نسبت بھی اللہ اور اسکے رسول کی طرف برابر کرنا جائز ہے۔ بعض لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ یہ عمل تو عبادت ہے، اس کی نیت اللہ کی طرف کرنا تو درست ہے مگر اس کی نیت رسول ﷺ کی طرف کیوں کی جائے، (معاذ اللہ) اللہ کے غیر کی طرف عبادت کی نسبت کرنا ناجائز ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو چھ مقامات پر وارد کر کے اللہ اور اس کے رسول کا ذکر یکساں کر کے یہ عقیدہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی طرف ہجرت اور عبادت کے عمل کا انتساب اور نیت نا صرف جائز ہے بلکہ خود سنت رسول ﷺ ہے۔

فرق یہ ہو گا کہ ہجرت کے بیان کی دو جہتیں ہوں گی اگر ہجرت کے بیان سے مراد صرف عبادت ہے تو پھر وہ خالصتاً لِلّٰہ ہو گی اور اگر ہجرت کا ذکر، ہجرت بمعنی توجہ، ہجرت بطور عمل، ہجرت پر واقع ہونے والا اجر اور شریعت میں ہجرت کا حکم مراد ہے تو یہ سارے کے سارے امور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے مساوی ہیں۔ جیسے اطاعت لِلّٰہ ولرسولہ، بیعت لِلّٰہ ولرسولہ، رضاء لِلّٰہ ولرسولہ، حرمت لِلّٰہ ولرسولہ، محبت لِلّٰہ ولرسولہ، الانفال لِلّٰہ ولرسولہ، الادب مع اللہ و مع الرسولہ میں اللہ اور رسول کی طرف نیت یکساں ہے۔ پس اگر ہجرت سے مراد عبادت ہو تو وہ خاص اللہ کے لئے اور اگر وجہ عبادت کو ایک طرف کر دیا جائے تو باقی جمیع وجوہ کے اعتبار سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نیت کرنا برابر ہو گا اور ہجرۃ الی الرسول ﷺ سے مراد بھی ہجرت الی اللہ ہو گی۔ پس اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان حکم کے اعتبار سے دوئی کو مٹا دیا گیا ہے۔

نزول وحی کی کیفیات

☆ عن عائشة رضی الله عنها ان حارث ابن هشام سأل رسول الله ﷺ، قال یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یَاتِیْکَ الْوَحْی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ أَحْیَانًا یَاتِیْنِیْ مِثْلَ صَلْصَلَۃِ الْجَرْسِ وَھُوَ اَشَدُّہٗ عَلَیَّ فَیَفْصَمُ عَنِّیْ وَقَدْ وَعَیْتُ عَنْہُ قَالَ وَاَحْیَانًا یَّتَمَثَّلُ لِیَ الْمَلَکُ رَجُلًا فَیُکَلِّمُنِیْ فَاَعِی مَایقول.....

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، یارسول اللہ ﷺ آپ پر وحی کس طریقے سے نازل ہوا کرتی تھی حضور ﷺ نے فرمایا مجھ پر وحی کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی تھی اور وہ کیفیت مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی۔ پس جب کیفیت دور ہوجاتی ہے تو مجھے وہ سب کچھ یاد ہوجاتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آ کر مجھ سے کلام کرتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے اسے یاد کرلیتا ہوں''۔ (صحیح البخاری، جلد۱، کتاب البدء الوحی حدیث۲)

ترنم و تغنم مطلقاً ممنوع نہیں

گھنٹی کی آواز کے اندر غناء، ترنم و تغنم ہے، اس سے میرا ذہن اس سمت جاتا ہے کہ ترنم و تغنم مطلقاً ممنوع نہیں ہے اگر مطلقاً یہ ممنوع اور حرام ہوتا تو نزول وحی کی کیفیت اللہ رب العزت کے لئے کوئی محتاجی نہ تھی، سو طریقے رکھتے مگر گھنٹی کی آواز، الا طریقہ اس میں سے خارج کیا جاسکتا تھا مگر ایسا نہ کیا پس معلوم ہوا کہ غناء اور لے میں بھی کچھ ہے۔

تمثل ارواح کا ثبوت

حدیث مبارکہ میں دوسری کیفیت نزول وحی کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبھی وحی مجھ پر ایسے نازل ہوتی کہ فرشتہ یعنی جبرائیل امین انسانی شکل میں مُتَمَثِّلْ ہوکر میرے سامنے آتے اور مجھ سے کلام کرتے یعنی وحی الٰہی بطور کلام مجھے پہنچاتے اور میں اس مجلس/کلام کے ختم ہونے سے پہلے اسے یاد کرلیتا۔

حدیث مبارکہ کے الفاظ کہ فرشتہ انسانی شکل میں مُتَمَثِّلْ ہوکر میرے پاس آتا ہے۔ اس سے فرشتوں کا انسانی شکل میں مُتَمَثِّل ہوکر آنا ثابت ہوتا ہے۔

فرشتے ارواح کی مثل ہوتے ہیں اور اصلاً نہ فرشتوں کا کوئی جسد خاکی ہوتا ہے اور نہ ہی اصلاً روحوں کا جسد خاکی ہوتا ہے۔ فرشتے عنصری جسم نہ رکھنے کے باوجود جب زمین پر انسانوں سے ملنے کے لئے آتے ہیں تو جنسی مناسبت پیدا کرنے کی خاطر ان مجرد روحوں اور مجرد نور کو جسم کا تَمَثُّلْ دے دیا جاتا ہے تاکہ ایک ربط اور جنسی مناسبت پیدا ہوجائے اور جب تک فریقین کے درمیان جنسی مناسبت قائم نہ ہو اس وقت تک نہ ایصال ممکن رہتا ہے اور نہ ہی وصول ممکن رہتا ہے۔ ایصال و وصول کے لئے فریقین کے درمیان مناسبت جنسی ظاہراً، تمثلاً ضروری ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے جیسا دکھائی دے۔ اس کو تَمَثُّلُ ارواح کہتے ہیں جیسے سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس اللہ نے جبرائیل امین کو بھیجا تو فرمایا:

فَاَرْسَلْنَا اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا. (المریم، ۱۹:۱۷)

''تو ہم نے ان کی طرف اپنی روح (یعنی فرشتہ جبرائیل) کو بھیجا سو (جبرائیل) ان کے سامنے مکمل بشری صورت میں ظاہر ہوا''۔

پس مُتَمَثِّلْ حقیقت نہیں ہوتی اس لئے حضور ﷺ کے پاس جب جبرائیل آئے تو آپ نے فرمایا یَتَمَثَّلُ لِیَ

اَلْـمَلَکُ رَجُلًا ''انسانی اور بشری صورت میں فرشتہ میرے لئے مُتَـمَثَّلُ ہوکر آتا'' اور کئی بار صحابہ کرام دیکھتے کہ کوئی حضور ﷺ سے ہمکلام ہے اور جب وہ چلے جاتے تو حضور ﷺ پوچھتے تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون تھے؟ صحابہ عرض کرتے اللـہ ورسولـہ اعـلـم ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے'' تب آپ ﷺ فرماتے یہ جبرائیل امین تھے۔ اس حدیث مبارکہ سے تَـمَثُّلُ ارواح کا مسئلہ ثابت ہوا۔ امام جلال الدین سیوطی نے الحاوی للفتاوی میں اس موضوع پر رسالہ لکھا، امام قسطلانی، علامہ عینی، امام عسقلانی اور بے شمار آئمہ حدیث و آئمہ تصوف نے اس بات کی توثیق وتصدیق کی۔

☆ عن عـائشة ام الـمومنين رضى الله عنها اَنَّهَا قَالَتْ اَوَّلُ مَابُدِءَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنَ الْـوَحْيِ الـرُّؤْيَا الصّٰلِحَةِ فِي النَّومِ فَكَانَ لَايَرٰى رُؤْيًا اِلَّا جَاءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ پر وحی کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی، جو خواب بھی حضور ﷺ دیکھتے، اس کی تعبیر صبح روشن کی طرح ظاہر ہوتی پھر آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت ڈال دی گئی اور آپ غارِ حراء میں خلوت فرمانے لگے''۔ (صحیح البخاری، جلد۱، کتاب بدء الوحی، حدیث۳)

رویائے صالحہ حق ہیں

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ پر وحی کی ابتداء نیک خوابوں کے ذریعے ہوئی اور یہ چیز رویائے صالحہ کے حق ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ جب انبیاء کی وحی کی ابتداء نیک خوابوں سے ہوتی ہے تو ان نیک خوابوں کا مطلقاً انکار کرنا کفر ہے۔ نیز یہ کہنا بھی کفر ہے کہ خواب نام کی کسی شے کا وجود ہی نہیں ہے اور یہ دماغ کا خلل ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ رویائے صالحہ کا انکار کرنے والا غلط عقیدہ پر ہے یا گمراہ ہے بلکہ یہ کہہ رہا ہوں کہ مطلقاً رویائے صالحہ کا انکار کفر ہے چونکہ یہ نصوص قرآنی کا انکار ہے۔ قرآن پاک میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے خوابوں کا ذکر ہے اور دیگر کئی اور خوابوں کا ذکر ہے اور حدیث متواترہ سے ثابت ہے کہ نبی پر وحی کی ابتداء بھی رویائے صالحہ سے ہوئی ہے گویا اس کا مطلقاً انکار تو وحی کی ابتدائی کیفیت کا ہی انکار کرنا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ چھ ماہ تک حضور ﷺ پر سلسلہ وحی بصورت رویائے صالحہ رہا۔

لطیف نکتہ: آپ نے کثرت سے سن رکھا ہوگا اور یہ کتب حدیث میں بھی مذکور ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا 46 واں حصہ ہوتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رویائے صالحہ (نیک خوابوں) کو نبوت کا 46 واں حصہ قرار دینے کی حکمت کیا ہے؟ آپ ﷺ اسے 20 واں یا 100 واں حصہ بھی کہہ سکتے تھے مگر کثرت سے مروی احادیث میں 46 واں حصہ قرار دیا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ حضور ﷺ پر نزول وحی کا کل عرصہ تقریباً 23 برس ہے، جبکہ 6 ماہ ایک سال کا آدھا حصہ ہے اگر 6 ماہ کو ایک یونٹ بنالیں تو 23 برس کے 46 یونٹ بنتے ہیں اور حدیث مبارکہ ہے کہ جب وحی کی ابتداء ہوئی تو 6 ماہ بصورت رویائے صالحہ وحی نازل ہوتی رہی۔ ان چھ ماہ کو جب زمانہ نزول وحی 23 برس کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو وہ 23 برس کا 46 واں حصہ بنتے ہیں۔

پس حضور ﷺ کے بعد نزول وحی کا سلسلہ قیامت تک بند کردیا گیا اور اس کا ابتدائی ایک یونٹ جو رویائے صالحہ کی صورت میں ہے اور چھ ماہ پر مشتمل تھا جو کل زمانہ کا 46 واں حصہ بنتا ہے وہ قیامت تک امت کے صالحین کے لئے برقرار رکھا گیا ہے۔ ان رویائے صالحہ کو مبشرات بھی کہتے ہیں۔ آپ معاشرے میں دیکھیں گے کہ بہت سارے لوگ خواب کا مذاق اڑاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اس حصہ میں سے کچھ حصہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ جن کو نصیب ملا ہے

Scanned with CamScanner

ان کا عالم ہی اور ہوتا ہے۔

مسئلہ علم غیب کی وضاحت

مذکورہ حدیث میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ ہیں۔

لَا یَرٰی رُؤْیَا اِلَّا جَآءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْح. ''جو بھی خواب حضور ﷺ رات کو دیکھتے، صبح، روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتا''۔

اس حدیث کی رو سے مسئلہ علم غیب کی وضاحت ہورہی ہے۔ بہت سارے عالم میں سے تین عالم درج ذیل ہیں:

۱۔ عالم غیب ۲۔ عالم مثال ۳۔ عالم شہادت

حقائق و وقایع سب سے پہلے عالم غیب میں ہوتے ہیں ان کو مغیبات کہتے ہیں پھر جب اللہ رب العزت ان کا ظہور چاہتا ہے تو عالم غیب سے انہیں عالم مثال میں منتقل فرمادیتا ہے اور عالم مثال خود کوئی اور حقیقت نہیں اور نہ ہی خود ایک مستقل عالم ہے بلکہ یہ عالم غیب کے حقائق و وقائع کا پرتو ہوتا ہے۔ جیسے شیشے کے سامنے کوئی اپنا چہرہ کرے تو اس کو شیشے میں اپنا عکس دکھائی دیتا ہے اور یہ عکس از خود کوئی حقیقت نہیں بلکہ اس کے چہرے کی حقیقت کا عکس ہے۔ پس عالم غیب کا عکس عالم مثال ہوتا ہے۔ پس جو کچھ عالم مثال میں دکھائی دیتا ہے وہ حقائق و وقائع غیب کا عکس ہوتے ہیں اور وہ حقائق ووقائع جو عالم غیب میں مخفی تھے، اللہ رب العزت جب ان کے ظہور کا ارادہ فرماتا ہے تو پہلے انہیں عالم مثال میں بشکل عکس منتقل کرتا ہے۔ خواب میں آپ جو کچھ دیکھتے ہیں وہ عالم مثال ہوتا ہے۔ عالم مثال کے بعد اللہ انہیں عالم شہادت میں منتقل فرمادیتا ہے۔

فرق فقط یہ ہے کہ جن لوگوں کی روح بشریت و مادیت جسمانیت، شہویت میں دبی ہوتی ہے۔۔۔ اور جن لوگوں کے دلوں کی آنکھ بینا نہیں ہوتی۔۔۔ اور جن لوگوں کی روح نور باطن سے محروم ہوتی ہے۔۔۔ اور جن لوگوں کے باطن کا تعلق ملائے اعلیٰ کے ساتھ نہیں ہوتا۔۔۔ اور جو لوگ اس مادی، بشری، سوتی، ظلماتی دنیا میں رہ کر اپنا قلبی، روحی، باطنی تعلق کلیتاً عالم بالا سے منقطع کر چکے ہوتے ہیں۔۔۔ انہیں تو ان حقائق و واقعات کا تب پتہ چلتا ہے جب وہ اس کو عالم شہادت میں (جس میں ہم رہ رہے ہیں) سامنے آشکار دیکھتے ہیں۔۔۔ مگر جن خوش نصیبوں کی روح پر اس دنیا میں رہ کر پردے اٹھ چکے۔۔۔ اور ان کا تعلق ملائے اعلیٰ کے ساتھ قائم ہے۔۔۔ اور ان کی باطن کی آنکھ کھلی ہے وہ انہی حقائق کو عالم شہادت میں آنے سے پہلے عالم مثال میں آشکار دیکھ لیتے ہیں۔

وہ حقائق جو کبھی پردہ ہائے غیب میں تھے، جب حقائق و لطائف کا وجود پردہ غیب میں تھا تو آپ نے اس کو غیب کہہ دیا۔ غیب خود ایک امر اضافی ہے یاد رکھ لیں اللہ کے سوا کوئی غیب حقیقی نہیں ہے اور جب قیامت ہوگی تو اللہ بھی غیب نہیں رہے گا عیاں ہوجائے گا۔ کوئی شے حقیقتاً غیب نہیں، آنے والا کل آج غیب ہے۔۔۔ یعنی وہ واقعات جو کل ظہور پذیر ہوں گے وہ آج غیب ہیں۔۔۔ کل کا سورج طلوع ہونے کی دیر ہے وہ سارے غیب شہادت میں بدل جائیں گے۔۔۔ جنہیں آج آپ غیب کہہ رہے ہیں کل آپ اس کے عالم ہوجائیں گے یا نہیں؟ کل آپ ان پر مطلع ہوجائیں گے یا نہیں؟ گویا کل وہ غیب نہ ہوں گے بلکہ وہی شہادت ہوجائیں گے۔۔۔ پھر اگلا دن آپ کے لئے غیب ہوگا اور وہ دن آنے پر آپ اس کی بارے میں مطلع ہوجائیں گے اور وہ عالم شہادت بن جائے گا۔ فرق فقط اتنا ہے کہ جن کے لئے کل اور آج کے درمیان پردہ حائل ہے ان کے لئے پردے کے ایک طرف غیب ہے اور دوسری طرف شہادت ہے۔۔۔ اور کچھ نگاہیں وہ ہیں جن کا پردہ اٹھادیا گیا ہے۔۔۔ ان کیلئے پردے کے دونوں اطراف میں شہادت ہے۔ اب دونوں گھر

سچے ہیں، میں تطبیق کر رہا ہوں کیونکہ میرا مشرب جھگڑا نہیں، صلح ہے۔۔۔ میں توڑتا نہیں جوڑتا ہوں۔۔۔ یہی ایک عادت ہے جو بہت سارے احباب کو اچھی نہیں لگتی اور بہت سارے احباب اس کو پسند بھی کرتے ہیں۔

تطبیق یہ ہے کہ جن کے لئے کل اور آج کے درمیان پردہ حائل ہے ان کے لئے غیب اور شہادت کا فرق ہے۔۔۔ اور کچھ وہ ہیں جن کا پردہ اٹھا دیا گیا ہے۔۔۔ جن کا پردہ اٹھ گیا وہ کل کو بھی اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے آج کو دیکھ رہے ہیں۔۔۔ ان پر کفر کا فتویٰ لگانا کیسے درست ہو گیا کہ جو کام آپ کل کرنے والے ہیں اور کرنے سے کافر نہیں ہوں گے۔ انہوں نے وہی کام آج کر دیا۔۔۔ یہ کیسے ہوا کہ کل کیا تو مومن۔۔۔ اور آج کل کر لیا تو کافر۔۔۔ یہ علم غیب پر نیا استدلال ہے جو کتابوں میں نہ ملے گا، یہ بات طے شدہ ہے کہ آپ دس ہزار کتابیں اٹھالیں، عمر ساری کتابوں میں گزار آئیں بہت ساری چیزیں ہیں جو ہمارے ہاں ملیں گے کتابوں میں نہ ملیں گی اور ہمیں بھی کتابوں سے نہیں ملیں۔ پس اللہ تعالیٰ جو عالم حقیقی ہے جب نگاہ ڈالتا ہے تو وہ امر جو حقیقتاً غیب میں ہوتا ہے اس کا بھی عالم ہے اور اللہ کے لئے کوئی بھی غیب نہیں ہے ارشاد فرمایا:

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ. (الحشر، ۵۹:۲۲) ''پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے''۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی شے ہے جو اللہ کے لئے بھی غیب ہے؟ اللہ کس غیب کا جاننے والا ہے؟ اگر آپ نے مان لیا کہ کچھ چیزیں اللہ کے لئے بھی غیب ہیں اور وہ ان کو جانتا ہے تو اس عقیدہ کے ساتھ تو آپ کافر ہو گئے۔ اللہ سے تو کچھ مخفی نہیں ہے جب اللہ کے لئے کوئی غیب ہے ہی نہیں، ''کن'' کی ابتداء سے لے کر فیکون کی انتہا تک اللہ کے لئے کوئی شے غیب نہیں تو پھر وہ عالم الغیب کیسے ہوا؟ اس کے لئے تو ہر شے شہادت ہے۔ میں نے ابتداء میں اس کا جواب دے دیا تھا کہ غیب ایک امر اضافی ہے، کوئی شے اس کے لئے غیب نہیں، ہمارے لئے ہے۔ اللہ کا فرمانا یہ ہے کہ لوگو! جو تمہارے لئے غیب ہے میں اسکو بھی جانتا ہوں اور جو تمہارے لئے شہادت ہے میں اس کو بھی جانتا ہوں۔ پس اللہ اپنی حقیقت میں عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

انبیاء و اولیاء مطلع علی الغیب ہیں

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ پورے قرآن اور کل کتب حدیث میں کوئی ایک نص بھی ایسی نہیں ہے جس میں یہ فرمایا ہو کہ جس غیب کو میں نہیں جانتا کسی کو بتاتا بھی نہیں۔ اس نے ہر جگہ لوگوں کے جاننے کی نفی کی، اپنے بتانے کی نفی نہیں کی۔ وہ خود جانتا ہے اور جب جاننے کی نسبت انبیاء و اولیاء کی طرف کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے بتانے سے جانتے ہیں۔ اللہ کا بتانا قدرت الٰہیہ ہے، یہ بندوں کی قدرت نہیں یہ اللہ کی قدرت ہے۔ پس جب نبی اور ولی غیب پر مطلع ہوتا ہے تو ان کا غیب پر مطلع ہونا بھی توحید ہے چونکہ اللہ کے مطلع کرنے سے انہیں خبر ہوئی۔ اللہ مطلع نہ کرتا تو انہیں خبر نہ ہوتی۔ اس لئے انبیاء و اولیاء کو مطلع علی الغیب کہتے ہیں، عالم الغیب نہیں کہتے۔ یہ شان میں فرق رکھتے ہیں۔

وَعِنْدَه مَفَاتِحُ الْغيب کی وضاحت

اللہ نے جہاں غیب کے جاننے کی نفی کی وہاں علم کی نفی کی، اطلاع کی نفی نہیں کی بلکہ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ. (الانعام، ۶:۵۹) ''اور غیب کی کنجیاں (یعنی وہ راستے جس سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اس کے پاس (اس کی قدرت و ملکیت) میں ہیں''۔ فرما کر اشارے میں ساری بات سمجھا دی۔

کہ غیب کی کنجیاں میرے پاس ہیں اگر اللہ کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ غیب وہ حقائق ہیں جو کبھی بھی کسی کو بتائے

ہی نہیں۔۔۔ اور کسی کو بتائے نہیں جاتے۔۔۔ اور کسی کو بتائے ہی نہ جائیں گے۔۔۔ اور ان پر کسی کو مطلع نہیں کیا جائے گا۔۔۔ اگر غیب ہمیشہ مخفی رہنے والا ہوتا تو اللہ یہ فرماتا کہ غیبوں پر میں نے تالا لگا رکھا ہے کبھی چابیوں کا ذکر نہ کرتا۔ بند رکھنا ہو تو تالا کہتے ہیں اور ان کو کھولنا ہو تو چابی کہتے ہیں۔ اس نے تو غیب بھی کہہ دیا اور اشارہ بھی بتا دیا کہ غیب کھولنے کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! جو نبی اور ولی نہ ہو۔۔۔ جن کا رابطہ اور اتصال مالائے اعلیٰ سے قائم نہ ہو۔۔۔ جن کے حجابات میں نے نہ اٹھائے ہوں۔۔۔ جن کا تعلق میرے ساتھ قائم نہیں ہوگا۔۔۔ جنکے دلوں اور روحوں کو میں نے اپنے اسرار و مغیبات اتارنے کا تالاب نہیں بنا رکھا۔۔۔ جو میرے ساتھ منسلک نہیں ہوگئے وہ سن لیں! میں نے تالا لگا کر غیب کی چابیاں اپنے ہاتھ میں رکھی ہیں کسی شخص کی مجال نہیں کہ کھول کر غیب پا سکے، چابیاں پاس رکھنے کا معنی یہ ہے کہ بند نہیں رکھتا، تمہارے لئے بند ہیں، جن کو بتانا ہوتا ہے، چابی سے کھول کر بتا دیتا ہوں۔

غیر نبی اور غیر ولی کے لئے قفل (تالا) ہے۔۔۔ اور نبی و ولی کے لئے چابی ہے۔ غیروں کے لئے تالا ہوتا ہے۔۔۔ اس کی مثال یہ لیں کہ گھروں کے مالک بھی اپنے گھروں کو تالا لگا کر چابی اپنے پاس رکھتے ہیں تاکہ اگر کوئی غیر اندر جانا چاہے تو نہ جا سکے۔۔۔ لیکن اگر کوئی گھر کے افراد میں سے جانا چاہے تو گھر کا مالک فوراً چابی نکال کر اس کے حوالے کر دیتا ہے۔ گویا جو اہل بیت ہیں، گھر والے ہیں چابیاں ان ہی کے لئے ہوتی ہیں۔ غیروں کے لئے تالے ہوتے ہیں اور اپنوں کے لئے چابیاں ہوتی ہیں۔ لفظ "مفاتیح" استعمال کرنے میں اللہ کی حکمت یہ ہے کہ اگر کوئی غیر ہو تو وہ جتنا مرضی زور لگا لے اس پر میرا غیب نہیں کھلے گا۔۔۔ تالا لگا ہے۔۔۔ ہاں اگر کوئی میرا بن جائے تو فرمایا: میرے بندو میں نے تو چابیاں رکھی ہی تمہارے لئے ہیں۔۔۔ ورنہ خدا کو تو نہ تالے کی حاجت اور نہ ہی چابی کی حاجت ہے۔ تالا، چابی تو اللہ کے لئے نہیں ہے اگر کسی سے چھپانا چاہے تو بغیر تالے کے بھی چھپا سکتا ہے۔۔۔ اور اگر کسی کو دینا چاہے تو چابی کے بغیر بھی دے سکتا ہے۔ پس یہ تالا، چابی مخلوق کے لئے ہے اور ناسمجھ لوگ مخلوق ہی سے ان کی نفی کرتے پھرتے ہیں۔ پس چابیاں بتانے کا مقصد یہ ہے کہ جب چابی کا وجود ہوگا تو چابی کا وجود تالے کو مستلزم ہے۔۔۔ جس کمرے کا تالا ہی نہ ہو کیا کبھی اس کی بھی چابی ہوتی ہے۔

لہذا جب فرما دیا کہ غیب کی کنجیاں میرے پاس ہیں تو اس میں پیغام یہ دے دیا کہ۔۔۔ غیرو تم نہ جانا، وہاں تالا لگا ہے۔۔۔ تمہارے لئے عالم غیب میں داخلہ ممنوع ہے۔۔۔ اور وہ لوگ جو اپنے ہیں، غیر نہیں ہیں، مراد انبیاء و اولیاء تو ان کے لئے تالا نہیں ہوتا بلکہ اپنوں کے لئے تو چابی ہوتی ہے۔۔۔ چوروں اور غیروں کے لئے تالا ہے۔ پس دونوں سچے ہیں۔۔۔ اگر کوئی چور ہے تو وہ یہ کہنے میں سچا ہے کہ غیب کی کنجی میرے پاس نہیں اس لئے کہ اس کے لئے تو تالا ہی ہے۔۔۔ اگر وہ تالا نہ کہے تو کیا کہے، وہ تو ہے ہی غیر۔۔۔ لہذا جب غیر یہ کہتے ہیں کہ کوئی نہیں جا سکتا، کوئی ادراک نہیں پا سکتا، کوئی داخل نہیں ہو سکتا تو وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔۔۔ اس لئے کہ غیر تو اندر جا ہی نہیں سکتے۔۔۔ اور اگر کوئی غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی، داتا گنج بخش علی ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی، بابا فرید گنج شکر، شیخ شہاب الدین سہروردی، مجدد الف ثانی، جنید بغدادی اور حسن بصری ہیں تو کیا ان کے لئے بھی تالا ہے۔۔۔ نہیں، بلکہ ان کے لئے چابیاں ہیں اور اگر کوئی مولا علی ہوگئے تو ان کے لئے فرمایا کہ علی تجھ سے جو نیچے ہیں چابیاں ان کے لئے ہیں۔ تجھے تو دروازہ بنا دیا ہے۔

اَنَا مَدِینَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا. "میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے"۔ (الحاکم فی المستدرک، جلد۳، ص۱۳۷)

پس دونوں سچے ہیں جن کے لئے داخلہ ممنوع ہوا ان کے لئے غیب مقفل ہوا۔۔۔ اور جو اپنے ہوگئے چابیوں

والے، اصحاب المفاتیح ہوگئے ان کے لئے غیب کھل گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ مَنَ النَّاسِ مَفَاتِیح لِذِکْرِ اللہ. (المعجم الکبیر، جلد۱۰، ص ۲۰۵، حدیث ۱۰۴۷۶)

''میری یاد کے لئے میرے بندوں میں سے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو خود چابیاں ہیں''۔

پس جن کا تعلق عالم مثال سے ہے ان کو کشف/ علم/ ادراک اور اطلاع ہوتی ہے۔۔۔ اور جن کا تعلق عالم مثال سے نہیں یعنی جن کے لئے دروازے بند ہیں وہ شہادت میں ہی دیکھ سکیں گے۔ وہ غیب اور مثال کو نہیں جان سکتے۔۔۔ لہذا دونوں کا قول ان کے حسب حال حق ہے۔۔۔ جو پیدائشی نابینا ہے وہ تو کہے گا کہ دنیا میں کچھ نہیں ہے اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔۔۔ اور جس نے سب کچھ دیکھا ہے وہ کہتا ہے کہ نہیں بلکہ بہت کچھ ہے۔

خلوت نشینی کا ثبوت

دوسرا نکتہ اس حدیث مبارکہ سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ثُمَّ حُبِّبَ اِلَیْہِ الْخَلَاءُ وَکَانَ یَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءِ.

پھر آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت ڈال دی گئی اور آپ غارِ حراء میں خلوت فرمانے لگے''۔

''حضور ﷺ کو خلوت نشینی سے محبت ہوگی۔ حبب الی الخلا سے اہل تصوف کے ہاں خلوت نشینی کا ثبوت ملتا ہے کہ خلوت نشینی سنت مصطفیٰ ﷺ ہے اور یہ رہبانیت کا بدل ہے۔ خلوت و رہبانیت کا فرق یہ ہے کہ رہبانیت دائمی ہوتی تھی اور جمیع فرائض وامور دنیا کا ترک ہوتا ہے۔۔۔ خلوت نہ جمیع امور کا ترک ہے نہ دائمی ہے بلکہ یہ ہجوم کے اندر کبھی کبھی تنہائی پیدا کر لینے کا نام ہے۔۔۔ ''خلوت در انجمن''۔۔۔ اعتکاف اسی خلوت نشینی کا ایک حصہ اور شاخ ہے جسے سنت مصطفیٰ ﷺ کے تحت اس امت میں قائم رکھا گیا ہے۔ نیز اس سے اولیاء وصلحاء کی کثرت عبادت، ریاضت و مجاہدات کا حضور ﷺ کی سنت سے ثبوت بھی ملتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی یہ خلوت نشینی تو قبل از بعثت کی بات ہے لہذا حجت نہ ہوئی۔ ایسی سوچ غلط ہے۔ حضور ﷺ کا اسوہ حسنہ بچپن سے لے کر تادم وصال ہر دور حضور ﷺ کی سنت ہے اور ہمارے لئے حجت ہے کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے اور نبی کبھی بھی اپنی عمر میں بعثت سے قبل بھی ایسا نہیں کرتا جو منشاء و رضائے الٰہی کے خلاف ہو اور اگر خلوت نشینی منشاء و رضائے الٰہی کے خلاف ہوتی تو حضور ﷺ پر اس حالت میں وحی نہ اترتی۔ اس بناء پر اللہ نے وحی بیت خدیجہ میں نہیں اتاری بلکہ خلوت غار حراء میں اتاری۔ لہذا یہ سنت بھی ہوئی اور حجت بھی ہوئی۔ پس وحی کا غار حراء میں اترنا خلوت اور تَعَبُّد (کثرت عبادت) کی الوہیت کی طرف سے توثیق ہے۔

کتاب الایمان: باب حب رسول من الایمان

☆ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ. (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حب رسول من الایمان، حدیث۱۴)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے والدین اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔

☆ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النبی لا یُؤمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْن. (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حب رسول من الایمان، حدیث ۱۵)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں''۔

ایمان کی تکمیل کا تقاضا۔۔۔ احبیت مصطفیٰ ﷺ

درج بالا احادیث کو ذہن میں رکھ کر عقیدہ کے حوالے سے ایک نکتہ سمجھ لیں کہ عام اہل علم اور عوام الناس کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ ان دو حدیثوں میں محبت رسول ﷺ کی اہمیت کا ذکر ہے، یہ بات درست نہیں ہے۔ اس حدیث میں محبت رسول کا بیان نہیں ہے۔ حدیث کی نص میں موجود الفاظ احب الیہ من والدہ وولدہ اصل میں اَحَبِیَّت رسول کو ثابت کر رہے ہیں فقط محبت رسول کو ثابت نہیں کر رہے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث سے حضور ﷺ کی محبت کا ثبوت ملا تو اس لحاظ سے تو اس حدیث سے من والدہ وولدہ والناس اجمعین کے الفاظ کے ساتھ اولاد کی محبت، والد کی محبت اور سب لوگوں کی محبت کا ثبوت بھی ملتا ہے اس تناظر میں حدیث مبارکہ میں حضور ﷺ کے حوالے سے وجہ امتیاز کیا ہے؟ اگر حضور ﷺ کی محبت کا بھی ذکر ہے اور دوسری محبتوں کا ذکر بھی ہے تو حضور ﷺ کی محبت کی دوسری محبتوں پر کیا فضیلت ہوئی؟

پس سب کی محبت کا ذکر اس حدیث میں موجود ہے کہ اولاد سے ایک حد میں محبت ہو۔۔۔ والدین سے بھی ایک حد میں محبت ہو۔۔۔ اور لوگوں سے بھی ایک حد میں محبت ہو۔۔۔ اور حضور ﷺ کی محبت کے بیان کو فقط محبت سے تعبیر نہ کیا بلکہ ''احب الیہ'' کے الفاظ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضور ﷺ کی محبت ان ساروں کی محبت سے زیادہ ہو اور شدید تر ہو اور جب شدید تر محبت کا ذکر ہے تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی محبت درجہ احبیت میں ہو تو ایمان ہے۔ درجہ احبیت کا مطلب سب محبتوں پر غالب تر، شدید تر اور فائق تر ہے اور یہی شرط ایمان ہے۔ محض محبت رسول ﷺ شرط ایمان نہیں ہے۔ ہائے افسوس! کتنے بدنصیب ہیں وہ دل جو مطلقاً محبت رسول ﷺ سے بھی خالی ہوں اور حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ فقط محبت رسول ﷺ سے بھی ایمان کا تقاضا پورا نہیں ہوتا کیونکہ محبت اولاد، والدین اور محبت الناس بھی بیان ہوئی اور حضور ﷺ کی محبت درجہ احبیت میں ہو یعنی کائنات کی ساری محبتوں پر غالب تر ہو۔ اس حدیث کا موازنہ صحیح مسلم سے کرتے ہیں۔

امام بخاری نے اس حدیث کو ''باب حب رسول من الایمان'' کے تحت بیان کیا جبکہ امام مسلم نے حدیث کے لئے جو باب قائم کیا ہے وہ قابل توجہ اور ایمان افروز ہے۔ امام مسلم نے اس حدیث کو اس باب کے تحت قائم کیا۔

کتاب الایمان، باب وجوب محبت رسول اکثر من الاهل ولولد والوالد والناس اجمعين. واطلاق عدم الايمان على من لم يحب هذه المحبة. (باب ۱۹، حدیث ٦٧)

امام مسلم نے یہ باب قائم کیا ہے کہ مطلقاً حضور ﷺ کی محبت واجب نہیں کیونکہ اگر مطلقاً محبت ہی نہ ہو تو انسان ایمان سے خارج ہوگیا مگر واجب کیا ہے؟ امام مسلم نے فرمایا اولاد، والدین اور دنیا کی ساری محبتوں سے محبت رسول کا اکثر، غالب تر ہونا واجب ہے اور جس شخص کو حضور ﷺ سے اس درجہ کی محبت نہ ہو اس پر مومن ہونے کا اطلاق بھی جائز نہیں''۔

امام بخاری کا عقیدہ بھی اس حدیث کے تناظر میں سامنے آیا کہ انہوں نے محبت رسول ﷺ کو ایمان کہا نیز امام مسلم کا عقیدہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے تصریح کی کہ محبت رسول ایسا ایمان ہے کہ اگر یہ محبت تمام محبتوں پر غالب تر نہ ہو تو اس شخص پر ایمان کا اطلاق بھی جائز نہیں ہے۔

باب حلاوۃ الایمان

☆ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِی ﷺ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِیْمَان اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ یَکْرَهَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ کَمَا یَکْرَهُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ.

''حضور ﷺ نے فرمایا: تین علامات ایسی ہیں کہ جس شخص میں ہوں گویا اس نے ایمان کی حلاوت (شیرینی، مٹھاس) چکھ لی کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کائنات کی ہر شے کی محبت سے بڑھ کر ہو اور کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ ہی کے لئے کرے اور کفر کی طرف لوٹنا ایسا ناپسند کرے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

حضور ﷺ کے ذکر میں خالق ومخلوق کا اکٹھا ہونا

اس حدیث مبارکہ کے پہلے حصہ میں توجہ طلب لفظ ''سواھما'' ہے یہ تثنیہ کی ضمیر ہے اور دو کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ عربی لغت کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر اللہ اور مخلوق کا ذکر اکٹھا آئے تو اللہ اور مخلوق کو اس طرح ایک لفظ/ضمیر میں جمع نہیں کرتے بلکہ الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے یوں نہیں کہا جائے گا کہ اللہ اور مخلوق دونوں کو ملا کر ''ھما'' کہہ دیا جائے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلَائِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ. (الاحزاب، ۳۳:۴۳)

''وہی ہے جو تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے''۔

یصلی واحد کا صیغہ ہے اور جب فرشتوں کا ذکر کیا تو اس سے پہلے واؤ عاطفہ لگا کر ان کا ذکر الگ کیا حالانکہ کام اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک ہے یعنی مخلوق پر درود بھیجنا مگر فرشتوں کو مخلوق ہونے کے اعتبار سے الگ ذکر کیا کہ وہ بھی درود بھیجتے ہیں لیکن جب اللہ نے وہی درود اپنے نبی ﷺ پر پڑھنا تھا اور ملائکہ نے بھی پڑھنا تھا تو وہاں اللہ نے اپنے کام کو فرشتوں سے جدا کرنے کی بجائے، ملائکہ کو ساتھ ملا کر صیغہ جمع استعمال کیا ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِی. (الاحزاب، ۳۳:۵۶)

''بے شک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے رہتے ہیں''۔

پہلی آیت میں یصلی کے ذریعے فاعل اور فعل پہلے بیان کر دیا اور واؤ عاطفہ لا کر وملائکتہ کو الگ بیان کیا لیکن جب الصلاۃ علی النبی کی باری آئی تو اللہ نے خود کو اور ملائکہ کو اکٹھا ذکر کر کے یصلون علی النبی کے الفاظ کے ساتھ ایک ہی فعل میں دونوں کو جمع فرما دیا۔ اس کو ''واؤ تشریک'' کہتے ہیں۔ گویا جب اللہ حضور ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو جو بھی محبوب خدا پر درود بھیجنے والا ہے، حضور ﷺ کے ساتھ اللہ کی محبت، ملاطفت اور شفقت کی وجہ سے ان سب کو اپنے فعل میں شریک فرما لیا لیکن جب کسی اور کا معاملہ ہوتا ہے تو اپنے اور مخلوق کے فعل کو جدا جدا ذکر کرتا ہے۔

حضور ﷺ کی محبت ہی اللہ کی محبت ہے

اس حدیث مبارکہ میں چونکہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا ذکر تھا۔ حکم یہ دینا مقصود تھا کہ لوگو میری محبت کو محبتِ خدا سے جدا نہ جانو۔۔۔ اور محبتِ خدا کو محبتِ مصطفی ﷺ سے جدا نہ جانو۔۔۔ اگر یہ دو محبتیں اپنے حکم اور وجود میں الگ الگ دو محبتیں ہوتیں تو حضور ﷺ دونوں محبتوں کو یکجا کر کے احب الیہ مما سواھما میں ھما کی ضمیر میں دونوں کو

جمع نہ فرماتے اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی محبت ہی اللہ کی محبت ہے۔

اس حدیث سے اس سوال کا جواب بھی ملتا ہے جو معترضین کرتے ہیں کہ آپ کثرت سے حضور ﷺ سے محبت کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ سے محبت کیا ہوئی؟ اللہ رب العزت نے بزبان رسول ﷺ جواب دیا کہ اگر میرے محبوب کی محبت کے ساتھ میری محبت کا معنی و مفہوم سمجھنا چاہتے ہو تو احب الیہ مما سواھما میں غور کرو، میں نے اپنی محبت کو محبتِ مصطفیٰ ﷺ سے جدا نہیں کیا اور محبتِ مصطفیٰ ﷺ کو اپنی محبت سے جدا نہیں کیا، دونوں کو ایک لفظ میں جمع کر کے سمجھا دیا کہ میری اور میرے محبوب کی محبت کا حکم ایک ہے۔

محبتِ مصطفیٰ ﷺ کو شرک کہنے والوں کیلئے مقام غور و فکر

حدیث مبارکہ میں 3 چیزوں کو حلاوۃ ایمان کا باعث قرار دیا ہے اور پہلی ایک چیز میں دو محبتوں کو جمع فرما دیا کہ اگر حلاوۃ ایمان چاہتے ہو تو اس کا ایک ذریعہ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت ہے۔ کسی عارف نے اس کا اظہار سرائیکی زبان میں اس طرح کیا۔

ہک ہے ہک ہے ہک ہے　　　جیہڑا ہک کو ڈو کر جانے او کافر تے مشرک ہے

یہاں سے شرک کا مفہوم واضح ہو گیا کہ جس نے (اللہ اور رسول ﷺ) ''ایک'' کو ''دو'' بنا دیا وہ مشرک ہے اور جس نے (دونوں یعنی اللہ اور رسول ﷺ کو ''ایک'' ہی سمجھا وہ موحد ہے۔ ''ایک'' اور ''دو'' کا فرق مزید واضح کرتا ہوں کہ اگر بات ذات کی ہو تو دو ہیں۔۔۔ لیکن اگر بات حکم اور نسبت کی ہو تو ایک ہیں۔۔۔ اگر دونوں یعنی اللہ اور رسول کو ''ایک'' کہہ دیا تو شرک ہو گیا اور اگر اللہ اور اس کے رسول کے حکم اور نسبت کو ''دو'' کہہ دیا تو کافر ہو گیا۔ پس باعتبار حکم دیکھا تو ایک ہے۔۔۔ باعتبار جہت دیکھا تو ایک ہے۔۔۔ باعتبار حرمت دیکھا تو ایک ہے۔۔۔ باعتبار ادب دیکھا تو ایک ہے۔۔۔ باعتبار اطاعت دیکھا تو ایک ہے۔۔۔ باعتبار نیت دیکھا تو ایک ہے۔۔ باعتبار بیعت دیکھا تو ایک ہے۔۔۔ باعتبار رضا دیکھا تو ایک ہے۔۔۔ باعتبار قربت دیکھا تو ایک ہے۔۔۔ باعتبار معصیت دیکھا تو ایک ہے۔۔۔ توجہ سے دیکھا تو ایک ہے۔۔۔ ذات کو دیکھا تو دو ہیں۔ یہ حقیقت میں صحیح اور اصل عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے اور یہی عقیدہ عرفاء ہے اور یہی عقیدہ مصطفیٰ ﷺ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے خود بیان کیا ہے۔

بعض لوگوں کو بات سمجھ نہیں آتی تو کہتے ہیں کہ تم (معاذ اللہ) اللہ اور اس کے رسول کو ایک ہی بنا دیتے ہو، جان لیں! ہم کبھی اللہ اور اس کے رسول کو برابر نہیں کرتے۔۔۔ برابر تو اس وقت کیا جائے جب دو ہوں۔۔۔ کیونکہ برابری دو میں ہوتی ہے اور جہاں ہوں ہی ایک تو پھر برابری کیسی؟۔۔۔ اگر معترض کے اعتراض کا موضوع ''ذات'' ہے تو پھر تو اللہ اور اس کا رسول ایک نہیں ہو سکتے۔۔۔ کیونکہ وہ خالق ہے اور یہ مخلوق۔۔۔ خالق اور مخلوق کیسے ایک ہو سکتے ہیں۔۔۔ کیونکہ یہ نہ ایک ہو سکتے ہیں اور نہ برابر ہو سکتے ہیں۔۔۔ خدا خالق، مصطفیٰ مخلوق۔۔۔ خدا معبود مصطفیٰ عبد۔۔۔ وہ مالک حضور مملوک۔۔۔ وہ مُرسِل حضور مُرسَل۔۔۔ وہ معطی (دینے والا) حضور ﷺ لینے والے۔۔۔ وہ پیدا فرمانے والا حضور ﷺ پیدا ہونے والے۔۔۔ لیکن اگر معترض کے اعتراض کا موضوع حکم، نسبت، ادب محبت، اطاعت، بیعت اور تعلق ہے تو پھر برابری کیسی۔۔۔ وہاں تو دو ہیں ہی نہیں۔۔۔ بلکہ ایک ہے۔ اللہ نے فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰه. (النسآء، ۴: ۸۰)

''جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا''۔

لَاتُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْله. (الحجرات، ۴۹: ۱)

''(کسی بھی معاملے میں) اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھا کرو''۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ بعض لوگوں نے عیدالاضحٰی کے دن حضور ﷺ کے قربانی کرنے سے پہلے قربانی کردی تو حکم ہوا کہ دوبارہ قربانی کرو، پہلے جو تم نے قربانی کی ہے وہ قربانی نہیں ہے اس لئے کہ تم نے حضور ﷺ سے پہلے قربانی کی ہے۔ آیت اتری کہ ''اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھا کرو'' سوچنے کی بات یہ ہے کہ جانور تو مصطفیٰ ﷺ نے ذبح کیا تھا، اللہ نے نے کونسا جانور ذبح کیا تھا۔ اللہ تو قربانی کرنے سے پاک ہے، اس کے لئے قربانی ہوتی ہے، وہ قربانی نہیں کرتا۔۔۔ تقدم تو فعل رسول ﷺ اور عمل رسول ﷺ پر ہوا تھا، تقدم علی الرسول ہوا تھا لیکن اللہ نے آیت قرآن میں یہ نہیں فرمایا کہ رسول ﷺ پر پہل نہ کرو بلکہ فرمایا۔۔۔ خدا اور مصطفیٰ ﷺ پر پہل نہ کرو۔۔۔ پس تقدم علی الرسول ہی تقدم علی اللہ ہے۔ مزید ارشاد فرمایا:

☆ بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ. (التوبہ، ۹:۱)

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بیزاری (دست برداری) کا اعلان ہے''۔

☆ تَعَالَوْا اِلٰی مَآاَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ. (النسآء، ۴:۶۱)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول کی طرف آؤ''۔

اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہ. (الاحزاب، ۳۳:۳۶) ''جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرمادیں''۔

☆ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ. (النور، ۲۴:۴۸) ''اور جب ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے''۔

☆ اَطِیْعُو اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ. (الانفال، ۸:۲۰) ''تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو''۔

☆ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہ. (النسآء، ۴:۱۳) ''جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے''۔

مَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہ. (النسآء، ۴:۱۴) ''جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے''۔

☆ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُولہ. (المجادلہ، ۵۸:۵)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں''۔

☆ وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ. (التوبہ، ۹:۵۹)

''اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہوجاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عطا فرمایا تھا''۔

☆ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَرَسُولہ. (الانفال، ۸:۱۳)

''یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی''۔

درج بالا آیات کریمہ میں اللہ نے اپنے اور اپنے محبوب ﷺ کو ذکر، اطاعت، فیصلہ، معصیت، عطا، عداوت، مخالفت میں جمع فرمادیا۔ مزید ارشاد فرمایا:

☆ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُولہ. (المائدہ، ۵:۳۳)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں''۔

یہاں اللہ نے جنگ میں جمع فرمادیا، اب کیا کوئی اللہ سے بھی جاکر جنگ لڑتا تھا۔۔۔ کوئی اللہ کے خلاف تلوار اٹھاتا تھا؟۔۔۔ جنگ بدر، احد، خندق اور دیگر غزوات میں کفار کس کے خلاف تھے، لازمی بات ہے کہ وہ حضور سے جنگ کررہے تھے۔۔۔ مگر اللہ نے کہا نہیں بلکہ ان کی جنگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ہے۔ ارشاد فرمایا:

☆ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ. (التوبہ، ۹:۷۴)

''اور کسی چیز کو ناپسند نہ کرسکے سوائے اس کے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اپنے فضل سے غنی کردیا تھا''۔

درج بالا آیات کریمہ میں اللہ نے اپنے اور اپنے محبوب ﷺ کو ایک ہی فعل میں جمع کیا اب اللہ نے یہاں فضل میں ایک کر دیا۔۔۔ نام دو کا ہے یعنی اللہ اور رسول۔۔۔ مگر ضمیر واحد کی استعمال کی فرمایا من فضلہ، نحو کا ایک قاعدہ بھی یہاں بیان کرتا چلوں کہ اگر کوئی کہے کہ من فضلہ میں ''ہ'' ضمیر واحد ہے، لہٰذا اس کا مرجع بھی واحد ہوگا ہم دو نہیں مانتے تو اس نحوی قاعدہ کا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ ضمیر واحد کا مرجع بھی واحد ہی ہوتا ہے مگر پھر تم بھی یہ بات مانو کہ ان دو اسماء میں سے ضمیر واحد ''ہ'' کا مرجع قریب تر ہوگا۔ ترتیب آیت کے اعتبار سے ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ میں ہ ضمیر کا قریب تر مرجع رسول بنتا ہے۔ اس لحاظ سے فضل صرف رسول کا بنتا ہے، اللہ کا فضل ہی نہیں بنتا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ بات غلط ہے۔ معترض کو ماننا پڑے گا کہ مرجع اللہ کی طرف بھی ہے اور اس کے رسول کی طرف بھی۔۔۔ اور اگر مرجع اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلھما کہ ان دونوں نے اپنے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔۔۔ مگر ایسا نہ ہوا اس لئے کہ ھما اس وقت آتا جب اللہ اور اس کے رسول کے فضل کے خزانے الگ الگ ہوتے۔۔۔ لیکن اللہ نے اس جدائی کی یہ کہہ کر جڑ کاٹ دی ہے کہ فضلِ خدا کا خزانہ فضلِ مصطفیٰ ﷺ سے جدا نہیں ہے۔۔۔ اور فضلِ مصطفیٰ ﷺ کا خزانہ، فضلِ خدا سے جدا نہیں ہے۔۔۔ اللہ نے اسی جدائی کو ختم کر کے یکتائی میں بدلا ہے۔ فرمایا: خدا اور رسول ذات کے اعتبار سے دو ہیں اور خزانۂ فضل کے اعتبار سے ایک ہیں۔ پس ذات کے اعتبار سے دو ماننا توحید ہے۔۔۔ اور دونوں کے فضل کو ایک ماننا رسالت ہے۔ مزید ارشاد فرمایا۔

☆ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ. (التوبہ، ۹:۵۹)

''عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ﷺ (مزید) عطا فرمائے گا''۔

☆ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (التوبہ، ۹:۳)

''(یہ آیات) اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے تمام لوگوں کی طرف حج اکبر کے دن اعلان (عام) ہے''۔

☆ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ. (التوبہ، ۹:۶۲)

''حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جائے''۔

اس آیت مبارکہ میں بھی یوں نہیں فرمایا احق ان یرضوھما ''کہ ان دونوں کو راضی کیا جائے'' بلکہ فرمایا ان یرضوہ ''اسے راضی کیا جائے''، یعنی ضمیر دو کی بجائے، واحد کی استعمال کی اور اپنی اور اپنے محبوب کو راضی کرنے کے امر کو ایک ہی ضمیر میں سمو دیا۔ پس الجمع بین التوحید والرسالہ ہی عقیدہ صحیحہ ہے کہ ذات کے اعتبار سے دو ہیں اور حکم و نسبت کے اعتبار سے ایک ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کا قول

اسی بات کو علامہ ابن تیمیہ نے الصارم المسلول ص ۶۱ میں تفصیلاً بیان کیا۔ (علامہ ابن تیمیہ، سعودی عرب میں تمام علماء کے امام، پیشوا اور شیخ الاسلام مانے جاتے ہیں اور سب سے اعلیٰ افضل اور فائق فتویٰ علامہ ابن تیمیہ کا گردانا جاتا ہے)

علامہ ابن تیمیہ نے الصارم المسلول میں وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ ثابت ہوا کہ

اِنَّ جِهَةَ حُرْمَةِ اللّٰهِ وَحُرْمَةِ رَسُوْلِهٖ جِهَةٌ وَّاحِدَةٌ. فَقَدْ اَقَامَهُ اللّٰهُ مُقَامَ نَفْسِهٖ فِيْ اَمْرِهٖ وَنَحْيِيَتِهٖ وَاِخْبَارِهٖ وَبَيَانِهٖ فَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَ اللّٰهِ والرسول فی شیءٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ.

''بے شک اللہ اور اس کے رسول کی حرمت کی جہت ایک ہی جہت ہے۔ اللہ نے حضور ﷺ کو اپنی جگہ خبر دینے، حکم دینے، منع کرنے، اطلاع دینے، علم میں اپنا قائم مقام بنا دیا ہے اور ان امور میں سے کسی ایک شے میں بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے درمیان فرق کرنا ناجائز ہے''۔

Scanned with CamScanner

اس سے عقیدہ صحیحہ معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان فرق موجود بھی ہے اور نہیں بھی ہے۔۔۔ جو لوگ صرف فرق کے پیچھے چل پڑے کہ فرق ہے وہ بھی ٹھوکر کھا گئے اور گمراہ ہوگئے۔۔۔ ایسے علماء، زعماء اور مفکرین کی کمی نہیں ہے جو صرف اصحاب فرق ہوئے۔۔۔ اور ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہوں نے غلو کیا اور فرق نظر انداز کر کے صرف جمع کے پیچھے چل پڑے۔۔۔ فرق کی حقیقت سمجھے بغیر فقط جمع کے پیچھے گئے وہ شرک کر بیٹھے۔۔۔ تشبیہ کے مرتکب ہوئے، گمراہ ہوگئے۔۔۔ یہ وہ نکتہ ہے جسے امام بخاری کتاب الایمان باب حلاوۃ الایمان میں "مما سواھما" کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ حضور ﷺ کی محبت اور اللہ کی محبت ایک ہی محبت ہے۔ لہذا یہ وہم نہ کیا جائے کہ تم صرف حضور سے محبت کرتے ہو اللہ کی محبت کا نام ہی نہیں لیتے۔ اس مقام پر یہ اعتراض وارد کرنا جہالت اور گمراہی ہے۔

حدیث کے پہلے حصہ میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ایک جاننے کا سبق ملا کہ اس محبت میں فرق نہ کرے اور اس محبت کو کائنات کی تمام محبتوں پر فائق سمجھے یہ فرما کر محبت رسول کی غیریت، محبتِ الٰہی سے ختم کی کہ محبت رسول، محبت الٰہی سے غیر نہیں ہے۔

محبتِ مصطفیٰ ﷺ پر شخصیت پرستی کا اعتراض؟

حدیث مبارکہ کے اندر دوسری چیز جو حلاوۃ ایمان کا باعث بنتی ہے اس کو حضور ﷺ نے بیان فرمایا۔

وَاَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَایُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰه. "کہ آدمی کی کسی کے ساتھ محبت اللہ کے لئے ہو"۔

اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے علاوہ بھی کچھ محبتیں ہیں جن سے اللہ کو محبت ہے۔۔۔ وہ اہل بیت اطہار، صحابہ کرام اور صالحین و اولیاء کی محبت ہے۔ فرمایا: کہ بندہ کسی بھی شخص سے محبت کرے تو وہ محبت اللہ کے لئے ہو، پس رسول ﷺ کی محبت کو "کسی شخص" کی محبت کے ذیل میں شامل نہیں کیا اور حب حضور ﷺ کو "المرء" میں شامل نہیں کیا۔۔۔ شخصیتوں میں شامل نہیں کیا تو۔۔۔ حضور کی محبت میں جتنا کمال اور غلو ہوجائے وہ شخصیت پرستی میں نہیں آئے گا کیونکہ "المرء" کو حضور کی محبت سے ہٹ کر حقیقت ثانیہ کے تحت ذکر کیا اور حضور ﷺ کی محبت کو اپنی محبت کے ساتھ جوڑ کر ایک کر دیا۔۔۔ تاکہ ادھر شخصیت پرستی کا الزام ہی نہ رہے۔ بہت سارے احباب نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں حضور ﷺ کی محبت کے بیان کو شخصیت پرستی کہا۔۔۔ ان نادانوں کو یہ علم ہی نہیں کہ جب حضور ﷺ کی محبت کی بات آئے تو شخصیت پرستی کا عنوان ہی نہیں بنتا۔۔۔ کیونکہ اللہ نے حضور ﷺ کی ذات کو اپنے حکم کے ساتھ ملا دیا ہے اور شخصیتوں سے نکال دیا۔

بعض لوگ نبی کریم ﷺ سے شدید درجہ کی محبت کو شخصیت پرستی کہتے ہیں۔ ان سے سوال ہے کہ کیا امام بخاری اور امام مسلم شخصیت پرست تھے؟ لوگوں نے اصل بات کو جانا ہی نہیں ہے اور سب شخصیتوں کو ایک ہی بنا دیا۔ اگر آپ کی اور میری بات ہو تو شخصیت پرستی کہتے پھریں مگر جب حضور ﷺ کی بات آجائے تو وہ عام شخصیتوں میں سے ایک شخصیت نہیں ہیں کیونکہ ایمان کے باب میں حضور ﷺ کے لئے بھی وہی حکم ہے سوائے الوہیت و معبودیت کے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

درج بالا جملہ آیات کریمہ اسی امر کو ثابت کر رہی ہیں۔ اسی طرح ارشاد فرمایا:

☆ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. (الانفال، ۸:۱۷)

"اور (اے حبیبِ محتشم) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے"۔

☆ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰه. (الفتح، ۴۸:۱۰)

’’(اے حبیب) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں‘‘۔

پس حضور ﷺ شخص ہوکر بھی شخصیتوں میں نہ رہے۔۔۔ انسان ہوکر بھی ان کا تذکرہ عام انسانوں میں نہ رہا۔۔۔ کیونکہ ان کا حکم اللہ نے اپنے حکم کے ساتھ ایک کر دیا۔

محبت اولیاء پر شخصیت پرستی کا اعتراض؟

صحابہ، اہل بیت، اولیاء اور صلحاء کی محبت کا تذکرہ کرنا اور ان سے محبت کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔ اس کو بھی شخصیت پرستی سمجھ کر رد کرنا ناجائز ہے۔ حضور ﷺ نے اسے بھی ایمان کا حصہ قرار دیا کہ

اَنْ یُحِبَّ الْمَرْءَ لَایُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰه. ’’کہ بندہ اللہ کے کسی بندہ سے جب محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے‘‘۔

یعنی اس لئے اس سے محبت کرے کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے یا یہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ گویا اولیاء کی محبت ’’محبت للہ‘‘ ہوتی ہے۔

لطیف نکتہ: حضور کی محبت کے لئے اللہ نے ’’اَلْحُبُّ لِلّٰهِ‘‘ (اللہ کے لئے محبت) نہیں کہا بلکہ حضور کی محبت کو فرمایاھی حب اللہ (حضور کی محبت خود اللہ کی محبت ہے)۔ ایک محبت کا اللہ کی محبت قرار پاجانا اور شے ہے۔۔۔ اور اللہ کے لئے محبت ہونا اور شے ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔۔۔ حضور ﷺ کی محبت کو اللہ نے فرمایا کہ حضور کی محبت خود میری ہی محبت ہے۔۔۔ یعنی حضور ﷺ کی محبت عین محبت الٰہی ہے۔

نیز اس حدیث مبارکہ سے صحابہ، اہل بیت، اولیاء اور صلحاء سے اللہ کے لئے محبت کئے جانے کا سبق ہے کہ ہم اللہ کے ولی سے محبت اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ ’’کی‘‘ اور ’’کے لئے‘‘ میں فرق ہے۔۔۔ حضور کی محبت، اللہ ’’کی‘‘ محبت ہے۔۔۔ اور اولیاء کی محبت، ’’اللہ کے لئے‘‘ ہے۔۔۔ اللہ کے لئے محبت کا معنی یہ ہے کہ ان اولیاء و صلحاء سے اس لئے محبت کی جائے کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے یا یہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَیُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَه. (المائدہ، ۵: ۵۴) ’’ان سے وہ (خود) محبت فرماتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے‘‘

درج بالا آیت میں ’’یحبهم‘‘ مقدم ہے، یعنی اللہ ان سے محبت پہلے کرتا ہے، یہ اللہ سے محبت بعد میں کرتے ہیں۔ سوچ آتی ہے کہ یہ کیسے ہوا کہ اللہ ان سے پہلے محبت کرتا تھا اور انہوں نے اللہ سے محبت بعد میں کی۔ اس عقدہ کا حل یہ ہے کہ محبت تو یہ لوگ ہی پہلے اللہ سے کرتے تھے مگر اللہ نے اپنی محبت کو اپنے رتبے کی وجہ سے پہلے بیان کیا۔ اب چونکہ یہ دونوں محبّ بھی ہیں اور محبوب بھی ہیں۔ اللہ ان اولیاء اللہ کا محبّ ہے اور یہ اللہ کے محب ہیں چونکہ دونوں میں محبت باہمی ہے اس لئے جب دونوں محبتوں کا تعلق باہمی ہوگا تو اللہ جو محبت کرتا ہے اس کا ذکر پہلے ہے اور بندوں کی اللہ سے محبت کا ذکر بعد میں ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

’’جو لوگ میرے بندوں سے میری وجہ سے محبت کرتے ہیں میں ان سے بھی محبت کرتا ہوں، ان کی زیارت کرنے کے لئے جانے والوں سے محبت کرتا ہوں، ان کی مجلس اور صحبت میں بیٹھنے والوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کی خدمت بجالانے والوں سے محبت کرتا ہوں‘‘۔

ایمان سے محبت اور ترتیبِ ایمان

حلاوۃ ایمان کا تیسرا سبب بیان فرماتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا:

اَنْ یَکْرَہَ اَنْ یَعُوْدَ فی الکفر کَمَایَکْرَہ اَنْ یُقْذَفَ فِی النَّار.

”کہ وہ کفر کی طرف واپس پلٹنے کو اس طرح ناپسندیدہ سمجھے جس طرح وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے“۔

اس حصہ میں ایمان سے محبت کو بیان کیا ہے۔ یہاں آپ درجات کی ترتیب پر غور فرمائیں کہ حضور ﷺ نے سب سے پہلے اپنی اور اللہ کی محبت کو بیان فرمایا۔۔۔ پھر اولیاء وصلحاء کی محبت کو بیان کیا۔۔۔ تیسرے نمبر پر ایمان کی محبت کو ذکر فرمایا۔ مگر افسوس کہ ہم نے اپنی ترتیبات کیا بنا رکھی ہیں۔۔۔ ہماری کتابوں اور خطابوں میں اپنی وضع کردہ ترتیبیں ہیں۔۔۔ دین میں نہ فرقے بنتے اور نہ فتنہ ہوتا اگر ترتیبات اور ترجیحات ہم اپنی نہ بناتے بلکہ وہی قائم کرتے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دے دی ہیں۔۔۔ ہم نے اپنی ترجیحات قائم کیں اور دین کو اپنی ترجیح کے اردگرد گھمایا پس فرقے بھی بنے اور فتنے بھی پیدا ہوئے۔۔۔ پس اپنی ترجیح اور ترتیب کو ترک کردیں اور ترجیحات خدا اور اس کے رسول سے لیں، قرآن وحدیث سے لیں تو فتنے ختم ہوجائیں گے۔

نیز سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان تو سب سے پہلے ہوتا ہے اور یہاں ترتیب میں سب سے آخر میں ذکر کیا گیا۔ کیوں؟ حالانکہ ایمان ہے تو باقی ساری محبتیں ہیں۔

اس مغالطے کو آج دور کرلیں، بات یوں نہیں ہے کوئی شک نہیں کہ ایک اعتبار سے ایمان ہی پہلے ہوگا کیونکہ ساری باتیں ایمان کے تصدق سے ہیں۔ یہ ایک پہلو ہے اور بات کا ایک رخ ہے اور درست ہے کیونکہ کفر سے اسلام میں آنے کے لئے ایمان مقدم تھا۔۔۔ لیکن حدیث مبارکہ میں خطاب اہل ایمان سے ہورہا ہے اہل کفر سے نہیں۔۔۔ کیونکہ یہ نہیں فرمایا کہ مومن تب ہوں گے جب یہ چیزیں ہوں گی۔۔۔ بلکہ فرمایا کہ مومن تجھے ایمان کی مٹھاس تب ملے گی جب ترتیب سے یہ چیزیں لے آؤ۔۔۔ یعنی ایمان حاصل کرنے کی بات نہیں ہورہی بلکہ ایمان کی شیرینی چکھنے کی بات ہورہی ہے۔۔۔ ایمان کی حلاوت، لذت، درجات اور مراتب کی بات ہورہی ہے کہ ایمان کے سمندر میں آگئے اب ایمان کے سمندر میں غوطہ زنی کی بات ہورہی ہے کہ کون بحر ایمان کے کتنے اور کون کون سے جواہر ولعل نکالتا ہے۔ پس اب ایمان کے اندر رہتے ہوئے ایمان کی ترتیب یہ بنالو کہ پہلی محبت، خدو مصطفیٰ ﷺ کی ہو۔۔۔ دوسری اولیاء وصلحا کی محبت۔۔۔ تیسری محبت ایمان کی محبت۔۔۔ مصطفیٰ ﷺ کی محبت کیوں؟ اس لئے کہ یہی محبت تو تمہیں خدا کی محبت عطا کرے گی۔۔۔ اولیاء کی محبت کیوں؟ اس لئے کہ یہی محبت تو تمہیں مصطفیٰ ﷺ کی محبت کا راستہ عطا کرے گی۔۔۔ ولی کی صحبت میں بیٹھو گے تو تمہیں مولا کی محبت کی سمجھ آئے گی۔۔۔

پیرِ کامل کو مریدوں کی تلاش نہیں ہوتی

یاد رکھ لیں! کہ اس حدیث میں جن اولیاء کی محبت کا ذکر موجود ہے اس سے مراد ولی ہے تاجر یا دکاندار نہیں ہے۔ ہم نے جو سارا حشر سارے دین کا کردیا تھا وہی حشر تصوف، طریقت، سلوک اور ولایت کا کردیا۔۔۔ تصوف و سلوک حُبّ دنیا دل سے نکال دینے کا نام تھا۔۔۔ اور اب آج تصوف وطریقت اور ولایت کا نام لے کر ساری دنیا کی محبت دلوں میں سجائے پھرتے ہیں۔۔۔ جو شخص مال و دنیا و دولت کے لئے مارا مارا پھرتا ہے، مال بٹورنے کے پیچھے پھرتا ہے وہ تو ابھی ایمان کے درجے میں بھی شاید ہی کم کم داخل ہوا ہے اس کا ولایت وطریقت سے کیا واسطہ ہوسکتا ہے۔ تصوف، حب دنیا دل سے نکال دینے کا نام ہے۔

ایک دفعہ نیویارک امریکہ میں میرے ایک خطاب کے بعد سوال و جواب کی نشست میں ایک شخص نے سوال کیا کہ پیر کامل کی پہچان کیا ہے؟۔۔۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس کی ضرورت آپ کو کیوں پڑگئی؟۔۔۔ اس نے کہا

Scanned with CamScanner

کہ اس وقت یہاں 50 پیر آئے ہوئے ہیں اور ہر پیر نے اپنے ساتھ Promoters رکھے ہوئے ہیں۔۔۔ مارکیٹنگ منیجر، پلانرز رکھے ہوئے ہیں۔۔۔ یہ ان پیروں کی کرامتیں بناتے ہیں اور پھر صبح سناتے ہیں اور پھر آگے ان کے ایجنٹس ہیں جو لوگوں کو گھیرتے ہیں۔۔۔ پوچھتے ہیں کہ کسی کے مرید ہو یا نہیں اگر نہیں تو آؤ پیر صاحب تشریف لائے ہیں، قطب وقت ہیں، غوث وقت ہیں، بیعت کرلو۔۔۔ تمام لوگ ایسا کررہے ہیں۔ پس ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ کامل کون ہے؟۔۔۔ کس کی بیعت کریں اور کس کی نہ کریں؟۔۔۔ میں نے اس کی گفتگو سن کر کہا: کہ میں اس سوال کا علمی جواب دوں گا تو آپ کے لئے مشکل ہوگی ایک سادہ جواب دیتا ہوں جو کئی جوابوں کا مغز ہے اور وہ یہ کہ۔۔۔ جس پیر کو مریدوں کی تلاش نہ ہو وہ پیر کامل ہے۔۔۔ پیر تو اسے کہتے ہیں جسے صرف حق کی تلاش ہو، صرف مولا کی تلاش ہو۔۔۔ اور جو خود مریدوں کی تلاش میں پھرتا ہے وہ تو ابھی خود مرید نہیں ہے پیر کہاں بنے گا۔۔۔ مرید کا مطلب ہے ''ارادہ کرنے والا''، وہ تو لوگوں کا ارادہ کرتا پھرتا ہے، رب کا ارادہ کب کرے گا۔۔۔ اس لئے پیر اور شیخ وہ ہے کہ مرید جس کی تلاش کرتے ہیں۔۔۔ وہ مریدوں کو تلاش نہیں کرتے۔ علامہ اقبال نے فرمایا:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

کیا حضور داتا گنج بخشؒ، حضور غوث پاک، حضرت جنید بغدادی، خواجہ اجمیر، خواجہ نظام الدین اولیاء کے کوئی ایجنٹس اور پروموٹرز تھے۔ تصوف اہل دنیا سے بے نیاز ہونے کا نام ہے۔۔۔ مرید کو طالب کہتے ہیں۔۔۔ شیخ مطلوب ہوتا ہے، طالب نہیں ہوتا۔۔۔ پس ولی کی محبت کو حدیث مبارکہ میں اس لئے دوسرے درجہ پر رکھا کہ یہ محبت، رسول ﷺ کی محبت کی طرف لے جاتی ہے اور اللہ کی محبت کی طرف لے جاتی ہے۔۔۔ ان کی مجلس میں بیٹھیں تو اللہ اور رسول ﷺ کی محبت ملتی ہے۔۔۔ ہم افراط و تفریط کا شکار ہوئے۔۔۔ اِدھر بڑھے تو دین و ایمان کے حقائق کا انکار کردیا۔۔۔ دوسری طرف بڑھے تو ان حقائق کو مسخ کردیا۔

تیسری محبت ایمان کی محبت کو قرار دیا اور اسے تیسرے درجے میں اس لئے بیان کیا کہ ایمان کی حفاظت اللہ، رسول ﷺ اور اولیاء کی محبت ہی سے ممکن ہے اور جن کے پاس یہ محبتیں نہیں ہیں وہ ایمان کی حفاظت سے محروم ہیں۔

☆سوال جبرئیل عن النبی عن الایمان والاسلام والاحسان

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل ایک دیہاتی کی شکل میں حضور ﷺ کے پاس آئے اور سوال کیا کہ مَاالْاِیْمَان یَارَسُوْلَ اللّٰہ ''یارسول اللہ ایمان کیا ہے؟'' حضور ﷺ نے فرمایا کہ اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَبِلِقَائِہٖ وَرُسُلِہٖ وَتُؤمِنَ بِالْبَعْثِ ''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، اس کے فرشتوں پر ایمان لاؤ، قیامت کے دن اس کے ساتھ ملاقات پر ایمان لاؤ، اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور بعث بعد الموت پر ایمان لاؤ''۔

حضور ﷺ نے ایمان کے سوال کے جواب میں اساسی عقائد ارکان ایمان کو بیان فرمایا اس کے بعد سائل (حضرت جبرائیل) نے سوال کیا مَاالْاِسْلَام یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ ''یارسول اللہ ﷺ اسلام کیا ہے؟'' حضور ﷺ نے فرمایا کہ

اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَاللّٰہ وَلَاتُشْرِکَ بِہٖ وَتُقِیْمَ الصَّلَاۃَ وَتُؤَدِّیَ الزَّکٰوۃَ الْمَفْرُوْضَۃَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ.

''اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور شرک نہ کرے اور نماز قائم کرے، فرض زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے'' (ایک حدیث میں ہے کہ حج ادا کرے)

اسلام کے سوال کے جواب میں 5 ارکان اسلام بیان کردیئے۔ حدیث میں ہے کہ جبرائیل امین سوال کا جواب سننے کے بعد تصدیق بھی کرتے اور کہتے صَدَقْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ ''یارسول اللہ ﷺ آپ نے سچ فرمایا'' حضرت

جبرائیل نے تیسرا سوال کیا۔

مَاالْاِحْسَان یَارَسُوْلَ اللّٰہ ''احسان کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ.

''احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس کیفیت اور اس حالت میں کرے گو یا اللہ کا مشاہدہ دیدار کر رہا ہے اور اگر تو اللہ کو نہ دیکھ سکے (تیرا استحضارِ قلبی اس قابل نہ ہو کہ تو اللہ کے مشاہدہ کی کیفیت اپنے دل میں پیدا کر سکے) تو پھر یہ یقین کی کیفیت ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے''۔ (صحیح البخاری، ج۱، کتاب الایمان، حدیث۴۳)

حدیث مبارکہ میں بیان کردہ تینوں چیزیں ایمان، اسلام اور احسان تعلیمات دین کی اساس ہیں۔ ایمان سے متعلقہ سوال کا جواب، دین کے عقائد کی بنیاد بنا۔ جس میں، توحید، ملائکہ، آخرت، وحی، رسالت کے عقائد وغیرہ شامل ہیں۔ گویا عقائد کی اساسیات اس حدیث سے ثابت ہوئیں۔ بعد ازاں جب ان عقائد کی بنیادوں پر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین مزید متخصص ہوئے اور ان حضرات نے ان پر کام کیا اس کے لئے دلائل فراہم کئے اس کو Develope کیا تو یہ علم العقیدہ اور علم الکلام بنا۔ گویا اسلام کے اندر علم العقائد، علم الکلام ان سب کی اساس اور بنیاد ایمان ہے اور یہ دین کا حصہ ہے۔

علم الفقہ بدعت نہیں

اسلام سے متعلقہ سوال کے جواب میں حضور نے ارکان اسلام بیان کئے۔ توحید و رسالت کی شہادت، اقامت صلاۃ، ایتائے زکوٰۃ، صوم رمضان اور حج بیت اللہ اسلام کا عنوان بنے۔ بعد ازاں جب ان کی تفصیلات مرتب ہوئیں تو وہ احکام شریعت کہلائے اور اس پر جب مزید کتابیں لکھی گئیں۔ احکامات کی مزید جزئیات وضع ہوئیں تو یہی علم الفقہ بنا۔

یہ بات سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ بعض لوگوں کو ایک مغالطہ لاحق ہوتا ہے کہ فقہ (یعنی مذاہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) دین میں بدعت ہے۔ ان حضرات کا یہ خیال غلط ہے۔ فقہ حقیقت میں دین میں بدعت نہیں ہے۔ فقہ کیا ہے؟ شریعت کے احکامات، عبادات، معاملات کی تفصیلات کا علم قرآن وسنت کی روشنی میں جب جمع کیا گیا تو اس سے علم الکلام اور علم الفقہ وجود میں آیا اور اس کی اساس و بنیاد وہی احکام تھے جو حضور ﷺ نے درج بالا حدیث میں ماالاسلام ''اسلام کیا ہے؟'' کے جواب میں مرحمت فرمائے۔

بدعت کیا ہے؟

ہر چیز کی ایک ابتدائی حالت ہوتی ہے، ایک وقت تھا کہ آپ بھی رحم مادر میں ایک نطفہ کی صورت میں تھے، آج آپ 6 فٹ کے نوجوان ہیں تو آپ بدعت نہیں بن گئے، کوئی کہے کہ آپ کیا تھے؟ آپ تو ایک قطرہ تھے، نطفہ تھے، تو 6 فٹ کے نوجوان کس طرح بن گئے؟ آپ تو ننگے پیدا ہوئے تھے، یہ لباس کہاں سے آ گیا۔ یہ تو سب بدعت ہے اس لئے کہ اصل کے خلاف ہے۔

آپ سوال کرنے والے کو کہیں گے کہ جوں جوں انسان بڑا ہوتا گیا، لباس کی ضرورت محسوس ہوئی۔۔۔ جب پیدا ہوئے ننگے تھے تو وہ پیدائش کی حالت تھی، ماں باپ نے لباس پہنایا۔۔۔ اور پھر جوں جوں بڑے ہوتے گئے اپنے وضع قطع کو خود بنانے اور سنوارنے لگے۔۔۔ حقیقت وہی ہے جو اصل ہے۔ اصل، سادہ ترین حالت کو کہتے ہیں اور جب اس سادہ ترین حالت میں ارتقاء ہوتا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ظروف و حالات بدلتے ہیں۔۔۔ نیز ظروف و حالات تقاضا بھی کرتے ہیں لہذا ان کے تقاضوں اور ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اسی اصل کے ساتھ اضافات ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہ سب اضافات تابع اصل

ہوتے ہیں۔ جس طرح انسان کی تخلیق ایک نطفہ سے ہوئی اور پھر بچہ کی صورت سے لے کر جوانی تک وہ پروان چڑھا۔۔۔ یہ تمام چیزیں اس نطفہ کے اندر ہی موجود تھیں، وہی جینز تھے، وہی کروموسومز تھے۔۔۔ ان کے اندر Developments ہوتی گئیں، پس یہ ارتقائی مدارج جس طرح انسان کے اندر موجود ہیں اس طرح زندگی کے اندر بھی موجود ہیں۔۔۔ یہ ارتقائی مدارج ہر شے میں موجود ہیں۔ نیز ہر شے کا ارتقاء اس کی اصل کے تابع ہوتا ہے اور یہ بدعت نہیں ہے۔۔۔ کیونکہ بدعت کے معنی و مفہوم کا خلافِ اصل پر اطلاق ہوتا ہے۔۔۔ ایسا اضافہ جو خلاف اصل ہو، وہ بدعت کہلاتا ہے۔۔۔ مگر ایسا اضافہ جو اصل کی ارتقائی ضروریات اور ظروف کو پورا کرنے کے لئے ہو وہ بدعت نہیں ہے۔ اسی طرح فقہ بھی بدعت نہیں ہے۔

نماز ہی کو لے لیجئے، حضور نے ماالاسلام کے جواب میں فرمایا ان تقیم الصلاۃ ''کہ تو نماز قائم کرے'' اب خبر نہیں تھی کہ نماز کیسے قائم کریں؟ حضور ﷺ نے صحابہ کے پوچھنے پر جواب ارشاد فرمایا:

صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ. ''نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو''۔ (الادب المفرد، جلد ۱ ص ۸۴، حدیث ۲۱۳)

صحابہ نے حضور ﷺ کو دیکھا اور اس طرح نماز پڑھنے لگے۔۔۔ مدینہ میں موجود صحابہ کرام نے حضور ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، دور دراز موجود صحابہ کرام نے حضور ﷺ کو اس حکم کے دیتے وقت اور عمل کرتے ہوئے نہ دیکھا کہ حضور ﷺ نے کس طرح نماز پڑھی، ان صحابہ کرام نے وہاں پوچھا کہ نماز کیسے پڑھیں، پس وہ صحابہ کرام جنہوں نے مدینہ میں حضور ﷺ کو پڑھتے دیکھا انہوں نے روایت کیا کہ

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہ کَانَ یُصَلِّیْ ھٰکَذَا. ''میں نے رسول اللہ کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا''۔

جب ان صحابہ نے حضور ﷺ کے عمل کو آگے بیان کیا تو یہ ''روایت'' بن گئی تو کیا روایت کو بدعت کہیں گے؟۔۔۔ نہیں بلکہ یہ تو تابع حکم ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَة. ''خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو جو مجھ سے سنو اسے آگے پہنچاؤ''۔

فَلْیُبَلِّغْ الشاھدُ عَلَی الْغَائب. ''جو حاضر ہے وہ غیر حاضر تک میری بات پہنچائے''۔

پھر مزید مسائل پیدا ہوئے مثلاً ایک شخص نماز پڑھنے لگا اور تیسری رکعت میں بھول گیا کہ چار پڑھی ہیں یا تین۔۔۔ اس نے اس بارے سوال کیا۔۔۔ جاننے والوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں بتایا کہ اس طرح کرو۔۔۔ جوں جوں مسائل پیدا ہوتے گئے۔۔۔ سوال کئے جانے لگے۔۔۔ اہل علم جواب دیتے رہے۔۔۔ وہی جواب جب جمع ہوئے تو اس کا نام فقہ ہوگیا۔ پس فقہ بھی تابعِ قرآن و حدیث ہے۔ فقہ دراصل احکام شریعت میں حضور ﷺ کے فرمان کی تفصیلات کا نام ہے۔ پس فقہ عین دین ہے، بدعت نہیں کیونکہ علم کی اصلی حالت سادہ ہوتی ہے۔

حرمین شریفین کی تعمیر سے بدعت کی وضاحت

اس کو ایک اور مثال سے سمجھتے ہیں۔ حضور ﷺ نے مسجد نبوی کو کھجور کے پتوں، لکڑی، پتھر اور گارے کے ساتھ تعمیر کیا، یہ مسجد نبوی کی سادہ حالت تھی۔ اگر کوئی بدعت کے لفظ سے اتنا ہی بدکنا چاہے اور بدعت کے لفظ کی حقیقت، معرفت اور ادراک اسے نہ ہو اور وہ اصل پر ہی قائم رہنا چاہے تو اس سے سوال ہے کہ اس صورت میں اگر ہم آج موجودہ مسجد نبوی کو دیکھیں یا موجودہ حرم پاک کو دیکھیں تو کیا یہی شکل حضور ﷺ کے زمانے میں تھی؟ نہیں، بلکہ اِس تعمیر اور اُس تعمیر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔۔۔ پس یہ سب کچھ اضافات ہیں، ارتقاءات ہیں۔۔۔ اگر یہ ارتقاء و اضافہ وقتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے تابع اصل ہو، خلاف اصل نہ ہوں تو یہ بدعت نہیں ہے۔ پس اس سے احکام

اسلام کے ہر مسئلہ میں اصل اور بدعت کا فرق سمجھ لیا جائے۔اس طرح علم کے باب میں بھی ارتقاء ہوا۔

تدوینِ قرآن سے بدعت کی وضاحت

حضور ﷺ کے زمانے میں صرف قرآن تھا، صحیح بخاری و مسلم موجود نہ تھیں مگر آج ہم قرآن کے ساتھ ساتھ صحیح البخاری و مسلم بھی پڑھتے ہیں تو کیا یہ بدعت ہوا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ جنگ یمامہ میں سینکڑوں حفاظ کرام کے شہید ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مشاورت سے قرآن کو کتابی صورت میں محفوظ کرنے کا فیصلہ ہوا تو اس موقع پر ایک سوال اٹھا تھا کہ

كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا مَالَمْ يَفْعَلْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰه. (سنن ترمذی، جلد۵، ص ۲۸۳، حدیث۳۱۰۳)

''تم وہ کام کیوں کرنا چاہتے ہو جو خود رسول پاک نے نہیں کیا''۔

اس سوال کا جواب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیا کہ وَاللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ ''کہ کام تو نیا ہے مگر اللہ کی قسم اچھا ہے''۔

كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا میں معنی بدعت ہے اور جواب واللہ ھو خیر میں معنی حسنہ ہے۔ بخاری شریف کے دو جملے جمع کئے تو بدعت حسنہ کا مفہوم واضح ہوگیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب سے میرا سینہ کھل گیا۔ ان کے سینے اس لئے کھلتے تھے کہ ہر وقت انشراح کے لئے تیار تھے، اللہ ہمارے سینے بھی کھول دے۔ پھر ان دونوں حضرات نے مل کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ قرآن کو کتابی صورت میں جمع کرو کہیں قرآن مجید سینوں سے تلف نہ ہوجائے انہوں نے بھی وہی سوال کیا جو پہلے ہو چکا تھا کہ

كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا مَالَمْ يَفْعَلْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰه. ''آپ دونوں وہ کام کیسے کرتے ہو جس کو رسول پاک نے نہیں کیا''۔

ہمارے معاشرے میں بھی یہی استدلال ہوتا ہے کہ تم وہ کام کیوں کرتے ہو جو حضور ﷺ نے نہیں کیا۔ ان دونوں حضرات نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب دیا کہ ہاں حضور ﷺ نے تو نہیں کیا مگر واللہ ھو خیر کہ کام تو نیا ہے یعنی لغواً بدعت ہے مگر اچھا ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ بولنے کی دیر تھی کہ میرا سینہ کھل گیا اور مجھے بھی اس کا حسنہ ہونا سمجھ میں آ گیا۔

(صحیح البخاری، کتاب التفسیر، حدیث ۴۷۰۱۔ صحیح البخاری، کتاب الاحکام، حدیث نمبر ۶۷۶۹۔ الجامع الترمذی، کتاب التفسیر، حدیث ۳۱۰۳)

لغوی حوالے سے نئے کام کو بدعت کہتے ہیں اور اس لحاظ سے سب سے بڑا بدعت کرنے والا خالق کائنات ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (البقرہ، ۲:۱۱۷) ''وہی آسمانوں اور زمین کو وجود میں لانے والا ہے''۔

یعنی نئے سرے سے جب کچھ بھی نہ تھا اللہ نے زمین و آسمان کو بنایا اور قرآن کی رو سے ان کا بنانا بدعت ہے یعنی پہلے نہ تھی۔

اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ. (یٰسٓ، ۳۶:۸۲)

''بے شک جب اللہ کسی کے کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو (فقط) یہ کہتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتا ہے''۔

اس نے فرمایا ''کن'' (ہوجا) اور ''فیکون'' (ہوگئی) سے بدعت ہوگئی یعنی جو چیز نہ تھی وہ وجود میں آ گئی۔ کل آئمہ، محدثین نے بدعت کے لفظ کی لغوی بحث کرتے ہوئے ابتداء اس آیت کریمہ سے کی ہے۔ بدعت، بدع سے ہے اور اسی سے بدیع ہے اور یہ اللہ کے اسماء میں سے ہے۔ یہ لفظ اتنا برا نہیں جتنا بنا دیا گیا ہے۔

(جس خاتون کو اولاد نہ ہو رہی ہو، ''یَا بَدِیْعُ'' کا وظیفہ کرنے سے اللہ اس کو اولاد کی نعمت عطا فرمائے گا)

صحیح البخاری و مسلم شریف میں 60 سے زیادہ احادیث بدعت کے حوالے سے موجود ہیں، ان احادیث پر بحث کرکے میں نے ایک مکمل کتاب ''کتاب البدعۃ'' کے نام سے لکھی ہے اس کتاب میں پورے Concept کو اس انداز سے واضح کیا ہے۔ الحمدللہ اس کتاب کو 5/4 دفعہ یکسوئی اور غور وفکر سے پڑھ لیا جائے تو عمر بھر مسئلہ بدعت پر کبھی مغالطہ پیدا نہ ہوگا۔ جب بھی کوئی نئی چیز کی جاتی ہے تو یقیناً انسان جھجکتا ہے، لغوی بدعت ذہن میں آتی ہے کہ یہ تو نیا کام ہو رہا ہے جو حضور ﷺ نے نہیں کیا۔ اسی طرح صحابہ جب کوئی نیا کام کرنے لگتے تو ان کے ذہن میں بھی یہی بات آتی تھی کہ یہ کام حضور ﷺ نے نہیں کیا۔۔۔ اس بات سے سوچ کا آغاز ہوتا تھا۔

بتانے کا مقصود یہ ہے کہ جب بھی کوئی نیا کام ہوتا ہے وہ لغواً ایک بدعت ہوتا ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ یہ منشائے شریعت کے تابع ہے اور مقاصد شریعت کی مطابقت میں ہے اور امر خیر کے لئے ہے یا خلاف احکام شریعت ہے، اس بات پر بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کا تعین ہوتا ہے۔

نمازِ تراویح اور بدعت کی وضاحت

اسی طرح نماز تراویح کے حوالے سے بھی یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضور ﷺ نے پوری حیات طیبہ میں 3/2 راتوں کے علاوہ کبھی اس کے لئے امام مقرر نہیں فرمایا۔ حضور ﷺ کے زمانے کے اعتبار سے یہ بدعت ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے باجماعت نماز تراویح کا اہتمام نہیں فرمایا تھا اور اپنی پوری زندگی حضور ﷺ نے 3/2 راتیں صحابہ کرام کے ساتھ نماز تراویح پڑھیں۔ بعد ازاں اس ڈر سے کہ امت کہیں اس امر کو واجب نہ سمجھ لے، آپ نے صحابہ کرام کے ساتھ نماز تراویح ادا نہ کی بلکہ انفرادی طور پر ادا کرتے رہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں نماز تراویح کے لئے امام مقرر نہیں فرمایا۔ اسی طرح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوائل دور میں بھی امام مقرر نہ تھا۔ بعد ازاں ایک روز حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی میں لوگوں کو انفرادی طور پر الگ الگ نماز تراویح ادا کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے سوچا کہ اس طرح تو لوگ غفلت کے مرتکب ہوجائیں گے لہذا آپ نے باجماعت نماز تراویح کے اہتمام کے لئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام مقرر فرمایا۔

ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے نماز تراویح کے لئے امام مقرر کیوں نہیں فرمایا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وقت کے ساتھ تقاضے بدلتے ہیں اور نئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اہتمام کرنے پڑتے ہیں۔ وہ اہتمام اگر تابع اصل اور مطابقت مقاصدِ شرع ہو تو وہ بدعت، بدعت ضلالہ نہیں ہوتی۔ خلافِ مقاصدِ شرع ہو تو برا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے امام مقرر کیوں نہیں فرمایا؟ اس سوال کا سادہ سا جواب ہے کہ وہ دور دور غفلت نہ تھا۔۔۔ صحابہ ساری ساری رات بھی عبادت کرنے کے لئے مستعد رہتے، حضور ﷺ روکتے تھے کہ راتوں کو اتنا زیادہ قیام نہ کیا کرو، کچھ حصہ سویا کرو اور رات کا کچھ حصہ پڑھا کرو۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کے اس بارے غافل ہونے کا خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں لوگ آہستہ آہستہ پڑھنا ہی نہ چھوڑ دیں آپ نے باجماعت کا اہتمام فرمایا۔ گویا پہلا امام تراویح حضور ﷺ کے وصال مبارک کے تقریباً 3 سال کے بعد مقرر کیا گیا۔ امام مقرر کرنے کے بعد اگلی رات دوبارہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں آئے اور لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا۔

نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ۔ (یہ کتنی اچھی بدعت ہے)

(صحیح بخاری، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، جلد۲، ص ۷۰۷، حدیث ۱۹۰۶)

بعض لوگ کم علمی کی وجہ سے یا زیادہ غصے اور جلال کی وجہ سے، تنگ نظری کی وجہ سے، جن کے دینی و علمی فہم و ادراک میں وسعت نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ کیا کبھی بدعت بھی اچھی ہوسکتی ہے؟۔۔۔ جب بدعت کہہ دیا تو بدعت تو غلط ہی ہوتی ہے۔ ان کم علم و نادان اصحاب کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ دین پر رائے سے فیصلہ نہ کریں۔۔۔ ہمیں چاہئے کہ اپنی ذاتی آراء کو ایک طرف رکھ دیں، دین کے فیصلے دین دینے والوں اور جن کے ذریعے دین پہنچا ان کے اقوال پر قائم کریں۔۔۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظ بدعت بھی استعمال کیا اور لفظ نعم (اچھا) بھی استعمال کیا۔۔۔ معلوم ہوا کہ کوئی عمل نیا ہونے اور لغوی اعتبار سے بدعت ہونے کے باوجود بھی اچھا ہوسکتا ہے۔۔۔ اور یہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

پس اس ساری بات کا مقصود یہ ہے کہ معلوم ہوا کہ ہر چیز ارتقاء کرکے سادہ حالت سے ترقی کی طرف گئی اور ساری ترقیات، ارتقائات اور اضافات جو مقاصد شرع کے تابع اور اصل کے تابع و مطابق ہوں وہ اضافات اور نئے کام بدعت سیئہ اور بدعت ضلالہ میں نہیں آتے وہ مستحسنات ہوتے ہیں اور اگر ان پر لغوی اعتبار سے بدعت کے لفظ کا اطلاق کیا بھی جائے تو وہ بدعات، بدعات حسنہ ہوتی ہیں۔ پس اسی طرح فقہ کے تمام علوم جو مرتب ہوئے وہ حضور کے جواب ماالاسلام کی تفصیل تھی۔۔۔ اور عقائد و علم الکلام کے جتنے علوم مرتب ہوئے وہ حضور کا جواب ماالایمان کی تفصیلات تھیں۔

تصوف اور بدعت کی وضاحت

زیر بحث حدیث میں حضرت جبرائیل نے حضور ﷺ سے سوال کیا۔

ماالاحسان یارسول اللہ (یارسول اللہ احسان کیا ہے)

بعض احباب کو مغالطہ لگتا ہے کہ تصوف بھی بدعت ہے۔ تصوف کو بدعت اس طرح سمجھا گیا جس طرح فقہ، عقائد کو بدعت بنادیا گیا۔۔۔ اگر عقائد اسلامیہ بدعت نہیں اور شریعت کے احکام کی فقہ بدعت نہیں۔۔۔ تو تصوف، طریقت اور سلوک بھی بدعت نہیں ہے۔۔۔ چونکہ عقائد کا علم ماالایمان کے جواب کی تفصیل ہے۔۔۔ احکام شریعت و فقہ کا علم ماالاسلام کے سوال کے جواب کی تفصیل ہے۔۔۔ اور اس طرح تصوف، تزکیہ، سلوک اور طریقت کا علم ماالاحسان کے سوال کے جواب کی تفصیل ہے۔ یہ ساری تفصیلات اور اضافات اصل کے تابع اور مقاصد شرع کے مطابق ہیں۔ اگر اسلام صرف ایمان اور اسلام کا نام ہوتا، اگر دین صرف عقائد و اعمال کا نام ہوتا تو عقائد کی بات ماالایمان کے سوال کے جواب میں آچکی تھی اور اعمال کا جواب ماالاسلام کے تحت آچکا تھا پھر تیسرا سوال ماالاحسان کی کوئی حاجت نہ تھی، نہ سیدنا جبرائیل امین تیسرا سوال کرتے اور اگر کردیا تھا تو حضور ﷺ جواب نہ دیتے۔ فرماتے جبرائیل! بس دین مکمل ہوگیا ہے۔ نہیں بلکہ حضور ﷺ نے اس سوال کا جواب بھی دیا۔

ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جن کے نام اسلام کے حوالے میں بڑے معتبر ہیں۔۔۔ مصنف ہیں، مفکر ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تصوف، سلوک، طریقت سب بعد کی بدعتیں ہیں جو بعد کے لوگوں نے ایجاد کیا۔۔۔ نہیں، ہرگز نہیں، تصوف سلوک و طریقت مصطفیٰ ﷺ کے بیان کردہ احسان کی تفصیلات ہیں، یہ بدعت نہیں۔۔۔ بلکہ ایسا کہنا معترضین کی کم علمی پر دلالت کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے جبرائیل امین کے سوال ماالاحسان کے جواب میں فرمایا۔

اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاکَ.

''کہ تو عبادت اس حال میں کرے گویا تو جمال خدا کا مشاہدہ کررہا ہے اور اگر تیرے قلب کے استحضار کی

حالت مشاہدہ کی سی نہ ہو تو کم از کم مراقبہ کی حالت ضرور ہو۔۔۔ اس یقین کے ساتھ کھڑا ہو، کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر دل کو استحضار کیفیت نصیب ہوجائے تو اولیاء، صلحاء کی زبان میں اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔۔۔ اور اگر دل کو رب کائنات کے مشاہدہ کرنے کے تیقن کی کیفیت حاصل ہوجائے تو تصوف کی اصطلاح میں اس کو مراقبہ کہتے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل احسان یا تو مشاہدہ حق کا نام ہے یا مراقبہ حق کا نام ہے۔

احسان یہ ہے کہ یا تو تیرا دل اسے دیکھ رہا ہو۔۔۔ یا تیری یہ کیفیت ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔۔۔ یعنی دونوں صورتوں میں رابطہ ہے۔۔۔ یا تیرا رابطہ خدا کے ساتھ ہو تو یہ حالت مشاہدہ ہے اور اگر خدا کا رابطہ، توجہ تیرے قلب پر ہو تو یہ حالت مراقبہ ہے۔۔۔ نیز تصوف یا مراقبہ میں ہے یا مشاہدہ میں ہے۔ احسان کے جواب میں حضور ﷺ نے نہ کوئی قول بیان کیا کہ تو ایسا کہے اور نہ کوئی عمل بیان کیا بلکہ احسان کے جواب میں حال بیان کیا کہ۔۔۔ اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَـــرَاہ ''کہ تو اس حال میں اللہ کی عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے''۔۔۔ جو لوگ ''حال'' کا انکار کرتے ہیں وہ اصلاح کرلیں کہ ''حال'' احسان کا نام ہے۔

ایمان، قال، عمل اور حال کے مجموعہ کا نام ہے

ایمان کے جواب میں حضور ﷺ نے ''قال'' بیان کیا۔ اسلام کے جواب میں حضور ﷺ نے ''عمل'' بیان کیا۔ احسان کے جواب میں حضور ﷺ نے ''حال'' بیان کیا۔ پس جان لیں! دین تین نعمتوں کے جمع کرنے کا نام ہے، دین قول بھی ہے۔۔۔ عمل بھی ہے۔۔۔ اور حال بھی ہے۔ جو لوگ دین کو فقط ''قال'' کہتے ہیں وہ محروم عمل اور محروم حال ہیں۔۔۔ انہوں نے دین کا ایک جز پایا اور جن کی کوشش صرف اعمال دین پر رہتی ہے کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، عمل کرو، جن کا سارا جہد فقط عمل پر ہے انہوں نے بھی دین کے ایک جز کو پایا۔۔۔ چونکہ میری طبیعت میں تعصب نہیں، اٹھا کر سب کچھ رد کردینے والوں میں سے نہیں ہوں، جتنا ہے اتنا مانتا ہوں جو نہیں ہے اس کی نشاندہی کرتا ہوں۔۔۔ فقط اہل قال بھی دین کا ایک جز رکھتے ہیں۔۔۔ فقط اہل عمل بھی دین کا ایک جز رکھتے ہیں۔۔۔ اور جن لوگوں نے حال پایا انہوں نے دین کے اعلیٰ جز کو پایا۔۔۔ سمجھ لو! کہ قال بغیر عمل کے ہوسکتا ہے، یہ ممکن ہے کہ قول ہو عمل نہ ہو، تب بھی مومن ہوگا، کافر نہیں ہے۔۔۔ مگر عمل بغیر قال کے مقبول نہیں ہے، جب پہلے درجے میں تھے تو قال تھا، شاید صاحب قال پچھلی دونوں حالتوں سے محروم ہو مگر کوئی مومن جب صاحب عمل ہوگیا، مومن صالح ہوگیا تو صالح مومن کے عمل میں قال بھی آ گیا، عمل بھی آ گیا۔۔۔ مگر کوئی صاحب حال نہیں ہوسکتا جب تک اس کے حال کے اندر قال و عمل دونوں شامل نہ ہوں۔۔۔ پس جو اہل حال ہوئے وہ اہل عمل بھی ہیں اور اہل قال بھی ہیں۔۔۔ اس لئے ہوسکے تو اہل حال کی مجلس میں بیٹھا کرو کہ حال والوں کے پاس قال بھی ہے اور عمل بھی ہے۔۔۔ اور اگر فقط اہل قال کے پاس بیٹھیں گے اور یہ لوگ معاشرے میں بہت ہیں، لچھے دار تقریریں کرنے والے، سُر لگانے والے، ہر بات پر بغیر سوچے سمجھے فتوے دینے والے لوگ بہت ہیں۔

دین کے زوال کی وجہ۔۔۔ اہلِ حال کا فقدان

دین زوال کا شکار کیوں ہوگیا؟ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم دین کی تبلیغ کرنے والے فقط صاحبان قال رہ گئے، ہماری زندگیاں عمل اور حال سے خالی ہیں۔

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور
ایسے امام سے گزر، ایسی نماز سے گزر

تقریریں کرنے سے دین کی حفاظت نہیں ہوتی، ہم نے مساجد بناڈالیں۔۔۔ تقاریر ساری رات کرتے رہے مگر قال کی ندیاں اور نہریں بہا دینے والوں سے پوچھو کہ قال والو! کبھی خدا کے حضور کھڑے ہوکر رونا بھی ملا۔۔۔ اسی قال کا کیا فائدہ جس میں حال نہ ہو، وعظ، تبلیغ اس لئے بے اثر ہوگئے۔۔۔ علماء و اہل عمل اسی وجہ سے معاشرے میں عزت گنوا بیٹھے۔ عزت دھکے سے، دباؤ سے، فتوے سے نہیں ملتی۔۔۔ عزت کرائی نہیں جاتی بلکہ خود بخود ہوتی ہے۔۔۔ خدا کی قسم! آپ لوگ حضرت حسن بصری کے حال کی طرف آؤ۔۔۔ حضرت اویس قرنی کے حال کی طرف آجاؤ۔۔۔ حضرت جنید بغدادی کے حال کی طرف آجاؤ۔۔۔ جیب عجمی، ابراہیم بن ادہم کے حال کی طرف آجاؤ۔۔۔ تم اپنے دل، دنیا کی محبتوں سے خالی کردو اور قال کو حال سے بھرلو تو۔۔۔ تمہیں عزت کرانے کی حاجت نہ ہوگی، دنیا تمہارے قدم چومے گی، تم دنیا کے پیچھے نہ پھرو، دنیا تمہارے پیچھے پھرے گی۔۔۔ دنیا سائے کی مانند ہے، سایہ سورج کے الٹ سمت ہوتا ہے اور بدنصیب ہے وہ شخص جو سائے کے پیچھے چلے، اگر آپ اپنا رخ سایہ کی طرف کرلیں تو سایہ آگے آگے ہوگا اور آپ اس کے پیچھے پیچھے چلیں گے۔

بس تصوف کیا ہے؟ قال و حال میں فرق کیا ہے؟ سایہ کے پیچھے چلو تو قال ہے اور سایہ دنیا ہے۔۔۔ اے اہل علم وعلماء! آپ وارثان رسول ہیں۔۔۔ آپ نمائندگان رسول ہیں۔۔۔ اپنے احوال کو بدلنے کی کوشش کریں، پھر اگلی نسلوں کے حال بدلیں گے۔۔۔ سایہ، دنیا ہے اور جب آپ دنیا (سائے کی طرح) کے پیچھے چلیں گے تو عمر بھر رسوا ہوں گے۔ قال اور حال والوں کا فرق کیا ہے؟ تصوف صرف یہ بات کرتا ہے کہ پکڑ کر رخ موڑ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ سائے کی طرف پشت کرلے۔۔۔ سایہ تو ادھر ہی رہے گا مگر یہ ہوگا کہ اب تم آگے آگے ہوگے اور سایہ دنیا تمہارے پیچھے ہوجائے گا۔۔۔ اگر سایہ کی طرف ہوگے تو صاحبان قال ہوجاؤ گے اور اگر سایہ کو پشت کی تو صاحبان حال ہوگئے۔

حضور ﷺ کے ایک جوان صحابی حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن دوران سفر، صبح کے وقت حضور ﷺ سے ملے، حضور ﷺ نے پوچھا کَیْفَ اَصْبَحْتَ یَاحَارِثَہ ''اے حارثہ تو نے صبح کیسی کی؟'' حضرت حارثہ نے جواب دیا اَصْبَحْتُ مُؤمِنًا حَقًّا ''میں نے سچے مومن کی طرح صبح کی'' میں نے حقیقت ایمان کے ساتھ صبح کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

اُنْظُرْ مَاتَقُوْلُ فَاِنَّ لِیْ کُلِّ شَیءٍ حَقِیْقَۃٌ فَمَا حَقِیْقَۃُ الْاِیْمَان.

''حارثہ ذرا دھیان کرتو کیا کہہ گیا ہے، بے شک ہر ایک چیز کی ایک حقیقت ہے اے حارثہ تیرے ایمان کی کیا حقیقت ہے''۔

حضرت حارثہ نے جواب دیا حَذَفْتُ نَفْسِیْ عَنِ الدُّنْیَا ''یارسول اللہ ﷺ میرے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنی جان کو دنیا سے نکال دیا ہے'' یعنی میرا نفس دنیا سے بے رغبت ہوگیا ہے۔۔۔ میرا باطن دنیا سے علیحدہ ہوگیا ہے۔۔۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں دنیا سے نکل گیا ہوں بلکہ کہا دنیا مجھ سے نکل گئی ہے۔۔۔ پس تصوف اور احسان دراصل حقیقت ایمان کا نام ہے، حضرت حارثہ کا جواب یہ تھا کہ یارسول اللہ میں نے حالت احسان میں صبح کی اور یہی حقیقت ایمان ہے۔

اے اہل علم اے وارثان رسول! اس طرح رہو کہ آپ دنیا سے نہ نکلیں بلکہ دنیا آپ سے نکل جائے۔۔۔ بلھے شاہ صاحب سے کسی نے پوچھا تھا کہ رب کیسے ملتا ہے؟ انہوں نے کہا:

بلھیا رب دا کی پانا   ادھروں پٹنا ادھر لانا

بس اتنا سا فرق ہے کہ ایک سوچ کی تبدیلی ہے۔۔۔ آپ دنیا سے نہ نکلیں، دنیا میں رہیں، دنیا کے حلال اسباب کو اختیار کریں اور زندگی گزاریں لیکن دنیا کو خود سے نکال دیں۔۔۔ بدقسمتی یہ ہے کہ دنیا ہمارے اندر ہے۔ معلوم نہیں ہمیں دنیا ملی ہے یا نہیں۔۔۔ تھوڑی تنخواہ والوں کو دنیا کیا ملے گی، علماء کو کتنی دنیا ملے گی۔۔۔ گزر اوقات مشکل ہوتا ہے۔۔۔ دنیا کا تھوڑا یا زیادہ ملنا دنیاداری ہے ہی نہیں۔۔۔ مت سمجھیں کہ جس کو چند ہزار روپے ماہانہ ملتے ہیں وہ فقیر ہے، دنیا دار نہیں ہے۔۔۔ اور نہ

یہ سمجھیں کہ جس کو ماہانہ لاکھوں روپے ملتے ہیں وہ دنیا دار ہے، فقیر نہیں ہے۔۔۔ لکھ (لاکھ) کمائے یا ککھ (بالکل کچھ بھی نہیں) کمائے اس کا تعلق دنیا اور دنیاداری سے نہیں ہے۔ کھانے کو کچھ بھی نہ ہو مگر دنیا کا لالچ دل میں ہو یہ دنیاداری ہے۔

حضور ﷺ نے پوچھا کہ حارثہ جب سے تو نے اپنے باطن کو دنیا سے نکال دیا ہے تیرے اس طرح کرنے سے کیا ہوا ہے؟ حضرت حارثہ نے جواب دیا: اَسْحَرْتُ لِذٰلِکَ لَیْلِیْ. ''آقا جب سے دنیا سے جدا ہوگیا ہوں تو ساری رات بیدار رہتا ہوں''۔ وَاَظْمَعْتُ نَھَارِیْ ''اور سارا دن پیاسا رہتا ہوں''۔

سوچ پیدا ہوتی ہے کہ بیداری اور پیاسا رہنے کا کیا تعلق ہے؟ اصل میں یہ بیداری، بیداری نہیں بلکہ سرشاری ہے یعنی مولا کے حضور حاضر رہتا ہوں، اس کی مناجات میں رہتا ہوں اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ پردے اٹھادیئے جاتے ہیں، اس کی تجلیاتِ حسن کو تکنے کی کیفیت میں رہتا ہوں۔ پیاسا رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ پانی نہیں ملتا، اس پیاس کا تعلق پانی سے نہیں ہے بلکہ اس پیاس کا تعلق رات کی پیاس سے ہے کہ سارا دن پیاسا رہتا ہوں اور انتظار کی شدت میں تڑپتا رہتا ہوں کہ پلٹ کر پھر وہ رات آئے اور سجدہ کروں اور پردے اٹھ جائیں اور یار کا جلوہ نصیب ہوجائے، جو لذت رات کو ملی تھی جو اس کی قربت میں شراب محبت ملتی تھی، جب حجابات اٹھادیئے گئے تھے تو اس کے جلوے نے جو سرشاری دی تھی، سارا دن اس سرشاری کے لئے پیاسا رہتا ہوں اور دن میں بیزار رہتا ہوں۔ رات کو بیدار اور دن کو بیزار رہتا ہوں۔

حضور ﷺ نے پوچھا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ عرض کیا: وَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ عَرْشَ رَبِّیْ بَارِزًا. ''اب یہ حال ہوگیا ہے کہ رات کو پردہ اٹھ جاتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے اللہ کے عرش کو بے نقاب دیکھ رہا ہوں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

یَاحَارِثَہ عَرَفْتَ فَلْزَمْ ثَلَاثًا. ''اے حارث تو ''عارف'' ہوگیا (تجھے معرفت مل گئی) اب اس کیفیت کو تھامے رکھنا، حضور نے تین مرتبہ فرمایا کہ تھامے رکھنا، تھامے رکھنا، تھامے رکھنا''۔ (المعجم الکبیر، ج ۳، ص ۲۶۶ حدیث ۳۳۶۷)

(اس حدیث کی مکمل تفصیلات منہاج السوی ص ۳۴ فصل فی حقیقۃ الایمان میں موجود ہیں)

یہ وہ چیز تھی کہ جس بارے حضور ﷺ نے فرمایا کہ عبادت اس حال میں کرو یا تجھے مشاہدہ کی کیفیت حاصل ہو یا تمہیں مراقبہ کی کیفیت حاصل ہو۔۔۔

☆ **عَنِ النُّعْمَانِ ابنِ بَشِیْرٍ اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَاِنَّ الْحَرَمَ بَیِّنٌ .... وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کلہ اَلاَ وَھِیَ الْقَلْبُ.** (صحیح البخاری، ج ۱، کتاب الایمان، حدیث ۴۴)

''۔۔۔۔۔خبردار! اس جسم کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ گوشت کا لوتھڑا سنور جائے تو پورا جسم سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جائے خبردار سن لو اور وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے''۔

قلب کا سنورنا، ایمان کی حفاظت کی ضمانت

حالت مشاہدہ و مراقبہ کا بنیادی طور پر تعلق استحضار قلب کے ساتھ ہے اس لئے امام بخاری اس کے بعد متصل اگلا حدیث جولائے ہی اس سے امام بخاری کا عقیدہ بھی واضح ہوتا ہے۔ جب حدیث احسان بیان کردی تو اس کے ساتھ مذکورہ بالا حدیث لائے مقصود یہ ہے کہ لوگو! حالت احسان، ایمان اور اسلام کی سب سے ارفع و اعلیٰ کیفیت کا نام ہے، اگر عقیدہ سنور گیا تو آپ کا ایمان مضبوط ہوگیا، اگر عمل سنور گیا تو آپ کا اسلام محفوظ ہوگیا اور اگر قلب و باطن کا حال سنور گیا تو آپ صاحبان احسان ہوگئے۔

اب امام بخاری فرماتے ہیں کہ چونکہ تزکیہ و احسان مراقبہ و مشاہدہ اور ترقی احوال ایمان کا مدار چونکہ قلب پر

ہے اسلئے کوشش کرو کہ اس دل کی اصلاح ہو جائے، اس دل کو سنوارو۔۔۔ فقہا کا کام یہ ہے کہ وہ احکام و اعمال کے لئے جسم کے اعمال سنوارتے ہیں۔۔۔ علماء کا کام یہ ہے کہ وہ عقائد سنوارتے ہیں اور اہل حال صوفیاء کا کام یہ ہے کہ وہ دل کو سنوارتے ہیں۔۔۔ مگر دل تبھی سنورے گا جب وہ خود بھی صاحبان دل ہوں۔

یہ تصوف ہے، علماء سمجھ لیں اصلاح قلب پر توجہ دینا اور اس کے طریقے بتانا، علمائے عقائد اور علمائے متکلمین کا فریضہ ہی نہیں ہے۔۔۔ عقائد کے متعلق، آئمہ کی جمیع کتب کو لے لیں ان کے اندر اصلاح قلب کے طریقے پر کوئی باب نہیں ہوگا چونکہ یہ موضوع علم العقائد کا ہے ہی نہیں۔ اب اگر کسی کو مسئلہ درپیش ہو جائے کہ دل بگڑ گیا ہے۔ دل میں شکوک آ گئے ہیں، دل، دنیا کی طرف مائل و راغب ہو گیا ہے، دل میں یکسوئی، لذت، کیف نہیں، عبادت میں نہیں لگتا، ان سوالات کے جوابات کے لئے اگر علمائے علم العقائد کی طرف جائیں تو عقیدہ پر کوئی بھی کتاب خواہ وہ کسی بھی مسلک کی نمائندہ ہو وہ کتب اس بارے مکمل طور پر خاموش ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ عقائد سنوارتے ہیں نہ کہ دل کو۔۔۔ اس طرح فقہائے کرام کے پاس بھی اصلاح قلب کے طریقے اور حال کو سنوارنے کے راستے نہ پائیں گے۔

قلب کی اصلاح، درِ صوفیا پر ہی ممکن ہے

اس صورت میں تصوف کا انکار کرنے والے اپنے دل کے اندر پیدا ہونے والے وساوس و شکوک کو رفع کرنے والے کسی کی طرف جائیں گے۔۔۔ اس لئے کہ علم العقائد کے آئمہ اور ان کی کتب اور اس طرح علم الفقہ کے آئمہ اور ان کی کتب اس بارے ان کی کوئی رہنمائی کرتی ہوئی نظر نہیں آتیں۔۔۔ اس طرح مفسرین، محدثین، مورخین، اصحاب سیر کے ہاں بھی انہیں جواب نہ ملے گا۔ اب یہ منکرین تصوف اگر ہر طرف اپنے سوال کے جواب کی تلاش میں ناکام ہوئے تو امام غزالی کی طرف گئے تو ان سے پوچھا کہ امام صاحب آپ کا دل بگڑا تھا تو آپ کس طرف گئے تھے؟ امام غزالی نے جواب دیا جو ان کی کتاب المنکز من الدلال کے اندر درج ہے امام غزالی نے کہا کہ میں نے فلسفیوں، متکلمین علماء، فقہا اور علماء ہر ایک سے پوچھا مگر کسی نے میرے دل کے مرض کی دوا نہ بتائی بالآخر مجھے دل کے مرض کا علاج صرف صوفیاء کے پاس ملا۔

کیا تصوف کے منکرین ان صوفیاء کا نکار کرتے ہیں۔۔۔ کیا وہ حضور غوث الاعظم، حضور داتا گنج بخش، شیخ سہروردی، شیخ بہاؤ الدین نقشبند، بابا فریدالدین گنج شکر، مجدد الف ثانی، خواجہ اجمیر، قطب الدین بختیار کاکی کا انکار کرتے ہیں۔۔۔ دل کے مرض میں مبتلا لوگوں کی دوا صرف ان صوفیاء کے در پر ملتی ہے۔۔۔ مسائل و عقائد کو یہ صوفیاء ڈیل ہی نہیں کرتے۔۔۔ خواہ کوئی رفع یدین کرنے والا ہو یا آمین بالجہر کہنے والا، صوفی کو اس سے کوئی غرض نہیں یہ تو فقہاء کا معاملہ ہے۔۔۔ جس مذہب کی چاہے تقلید کرو ہمارے پاس دل کی اصلاح کے لئے آؤ گے تو شفا پاؤ گے۔۔۔ یہ آئمہ مذہب و فقہاء کا مسئلہ ہے کہ جس کی تقلید کرو وہیں چلو۔۔۔ صوفیاء کا دوا خانہ ظاہر کو نہیں باطن کو دیکھتا ہے۔ نفس، قلب بگڑ جائے تو صوفی کے پاس جاؤ۔۔۔ روح کا تعلق اگر مالائے اعلیٰ سے کٹ جائے اور روح تڑپ رہی ہو تو اس کا تعلق اپنے وطن سے جوڑنے کے لئے صوفیاء کے در پر جاؤ۔

پس دل کو سنوار لو۔۔۔ اور اس کے سنوارنے کے لئے اہل حال یعنی صوفیاء کے دامن سے وابسطہ ہو جاؤ۔۔۔ اس لئے کہ اگر دل سنور گیا تو یہی حج اکبر ہے اور ہزاروں خشک صحرائے حیات میں اندھیوں کے ساتھ اڑتے پھرتے پتوں کی طرح ہزاروں دلوں سے وہ ایک دل بہتر ہے جو یار کی طرف جم گیا ہو۔۔۔ پس احسان دل کو یار کی طرف جما دینے کا نام ہے۔۔۔ اس جما دینے کا پہلا درجہ مراقبہ ہے اور اس کا آخری درجہ مشاہدہ ہے۔ (جاری ہے)

Scanned with CamScanner

شارحِ فکرِ قائد۔۔۔۔ ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

تحریکِ منہاج القرآن دورِ حاضر کی عظیم علمی، فکری، تجدیدی اور احیائی تحریک ہے جس نے حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی رہنمائی اور سرپرستی میں زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں اثرات مرتب کیے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کے فیضِ تربیت سے مختلف میادین حیات میں تحریک نے ایسے رجال کار بھی پیدا کیے ہیں جن کی خدمات اپنے اپنے شعبہ میں بے مثال ہیں۔

تحریک کے یوم تاسیس کے موقع پر 17 اکتوبر 2006ء کو حضرت شیخ الاسلام نے تحریک کے مرکزی ناظم تحقیق ڈاکٹر طاہر حمید تنولی کو ان کی علمی اور فکری خدمات پر ''شارحِ فکر قائد'' کے خطاب اور ''تمغہ رازی'' سے نوازا۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی 1988ء میں منہاج القرآن یوتھ لیگ کے قیام کے موقع پر تحریک سے وابستہ ہوئے اور مختلف ذمہ داریوں پر خدمات انجام دے چکے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کے حکم پر مرکز آمد کے بعد نظامت تحقیق میں خدمات انجام دیں۔ تحقیق میں آپ کے میادینِ تخصص مذہب، فلسفہ، اقبالیات، ادب اور اسلام کی صوفیانہ روایت ہیں۔ آپ نے ادب میں ''توضیحِ متن کا کثیر الجہاتی منہج (Multidimensional Approach of Interpretation of Text)، مطالعہ تہذیب میں، موجِ خامس کی موثریت (Effectivity of Fifth Wave)، مختلف علوم میں وحدت بین العلوم (Interdisciplinary Unity) اور اقبالیات و فلسفہ میں، نامیاتی زماں (Organic Nature of Time)، جیسے تصورات متعارف کروائے۔ مختلف موضوعات پر آپ کی کئی کتب شائع ہوچکی ہیں۔ تصوف کی نفسی (Psychic)، معنیاتی (Semic) اور اطلاقی (Applicational) اہمیت پر مشتمل آپ کی حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب ''مکتوباتِ رحمانیہ'' ملک کے نامور اہل علم و دانش سے خراج تحسین وصول کرچکی ہے۔ دور حاضر میں اسلام کی قابل عمل توضیح اور عملی نفاذ میں حائل رکاوٹ، مقصد و منہج کے خلط مبحث (Purpose & Procedure Confusion) کے تجزیہ پر مشتمل آپ کی تصنیف Understanding Quran in Contemporary Perspectives تکمیل کے مراحل میں ہے جس میں فہم قرآن کے اس اسلوب کا احاطہ کیا گیا ہے جو روحِ عصر کی تشفی کا ضامن اور ''منہاج القرآن'' ہے۔ آپ نے حضرت شیخ الاسلام کی فکر کی تدوین میں نمایاں کردار انجام دیا۔ حضرت شیخ الاسلام کے ترجمہ قرآن ''عرفان القرآن'' کے محاسن پر ڈاکٹر تنولی کا تبصرہ ''برصغیر میں اردو ترجمہ قرآن کی روایت ایک درخت اور عرفان القرآن اس کا پھل ہے'' تاریخی تناظر میں عرفان القرآن کے علمی و فکری مقام کا جامع بیان ہے۔ ڈاکٹر طاہر حمید تنولی تحریک کے اس علمی و فکری طبقے کے نمائندہ ہیں جو حضرت شیخ الاسلام کی فکری ندرت، علمی تخلیقیت اور احیائی لہجے کا علم بردار ہے۔ اس وقت آپ تحریک کے ناظم تحقیق اور منہاج کالج برائے خواتین کے شعبہ افکار جدیدہ کے نگران ہیں۔ ہم انہیں حضرت شیخ الاسلام کی طرف سے ملنے والے اس اعزاز و اکرام پر مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ انہیں بارگاہ رب العزت سے خدمت دین کی مزید توفیق ارزانی ہو! (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

منجانب: سٹاف فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، FMRi

مقام نبوت ﷺ

حجیت حدیث پر خصوصی مقالہ

گذشتہ سے پیوستہ

مفتی عبدالقیوم خاں ہزاروی

پہلے حصہ (نومبر 06ء) کا خلاصہ

منکرینِ حدیث، حجیت و اہمیتِ حدیث کو کسی صورت ماننے کے لئے تیار نہیں حالانکہ قرآن پاک کے اندر متعدد آیات نبی کریم ﷺ کے قول و عمل کی اطاعت کرنے، آپ ﷺ سے محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تشریعی حیثیت کو اجاگر کرتی ہیں بلکہ قرآن پاک میں سورۃ توبہ آیت ۲۹ میں نبی ﷺ کے حلال و حرام مقرر کرنے کے اختیار کا انکار کرنے والے سے لڑنے کا حکم موجود ہے، نیز سورۃ النسآء آیت ۱۵۰، ۱۵۱ میں یہاں تک فرمایا گیا کہ جو اللہ و رسول میں تفریق کریں وہ پکے کافر ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کو ستانے اور آپ کا مذاق اڑانے والوں کو لعنتی، جہنمی اور کافر قرار دیا گیا۔ (التوبہ:٦٦) (الاحزاب:٥٧) قرآن پاک کے اندر قرآن و حدیث دونوں کو ماننے اور اللہ و رسول کی اطاعت کرنے کا واضح حکم موجود ہے نیز اگر کوئی شخص قرآن کی تفسیر، حدیث کے بغیر کرنا چاہے تو وہ قرآنی احکامات کو سمجھنے سے قاصر رہے گا مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان تمام کے تفصیلی احکامات ہمیں سنت و حدیث رسول سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ لہذا حدیث کی حجیت و اہمیت کا انکار کرنا جہالت اور نادانی کی علامت ہے نیز ایمان سے اخراج کا باعث بھی ہے۔ منکرین حدیث کے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ اکثر محدثین عجمی ہیں حالانکہ نبی کریم ﷺ عربی تھے، اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اسلام کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں دیتا، اسلام کے ہاں برتری کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کسی عربی کی عربیت اسے ایمان سے ہمکنار نہ کر سکے اور کسی عجمی کی عجمیت اس کے اخلاص و ایمان میں رکاوٹ نہ ہو۔ اسی طرح منکرین حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے وقت عمر جو حدیث مبارکہ میں 9 سال درج ہے کو بھی اپنے اعتراض کا حصہ بنایا کہ یہ عقل و نقل کے اعتبار سے غلط ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہماری تحقیق کے مطابق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک بوقت شادی 17 یا 19 سال تھی۔

چند دیگر غلط فہمیاں جو منظّم طریقہ سے پھیلائی جاتی ہیں

منکرینِ حدیث کہتے ہیں کہ حدیث لکھنے سے منع فرمایا گیا ہے اور اپنی بات کے ثبوت کے طور پر یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ صحیح مسلم کتاب العلم میں زید بن اسلم نے عطاء بن یسار سے رسول اللہ (ﷺ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میری احادیث نہ لکھو جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو وہ اسے مٹا دے''۔ (صحیح مسلم کتاب العلم)

یہاں منکرین حدیث نے دو غلطیاں کیں۔

Scanned with CamScanner

نمبر۱: کتاب العلم کا حوالہ دیا حالانکہ یہ روایت باب التثبت فی الحدیث وحکم کتابة العلم میں ہے۔
نمبر۲: نہ عربی کے اصل کلمات لکھے نہ پوری روایت نقل کی تاکہ اس منکر کا پول نہ کھلے۔ پوری حدیث پاک یہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تكتبوا عني ومن كتب عني غير القرآن فليمحه. وحدثوا عني ولا حرج. ومن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. (مسلم ج ۲ ص ۴۱۴ طبع کراچی)

''میری طرف سے کچھ نہ لکھو اور جس نے میری طرف سے قرآن کے علاوہ لکھا ہو، اسے مٹا دے اور میری طرف سے حدیث بیان کرو، حرج نہیں اور جو کوئی مجھ پر جان کر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔

امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

۱۔ لکھنے سے منع اس شخص کو کیا گیا جسے اپنے حافظہ پر مکمل اعتماد ہو اور لکھنے کی صورت میں ڈر ہو کہ کہیں لکھنے پر ہی اعتماد نہ کرلے'' اور جس کو حافظہ پر اعتماد نہ ہو اسے لکھنے کا حکم فرمایا جیسے فرمایا: ابوشاہ کو میری حدیث لکھ دو۔

۲۔ اور حدیث صحیفہ علی۔ ۳۔ اور عمرو بن حزم کو فرائض، سنن اور دیات کے بارے میں احادیث لکھ کر دیں۔

۴۔ اور حدیث کتاب الصدقۃ اور زکوٰۃ کے نصابات جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بحرین کا عامل بنا کر بھیجتے وقت لکھ کر دیئے۔

۵۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں کہ میں لکھتا نہ تھا وہ لکھ لیا کرتے تھے۔ پس جب حدیث و قرآن کے خلط ملط ہونے کا خطرہ محسوس فرمایا، حدیث لکھنے سے منع فرمادیا جب یہ خطرہ تعلیم و تربیت کے بعد ختم ہوگیا حدیث لکھنے کی اجازت ہی نہیں حکم بھی دیدیا۔ وقت و حالات کے بدلنے سے بعض احکام بدل جاتے ہیں''۔ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۴۱۴)

اختلاف تو جمع قرآن پر بھی ہوا

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے جنگ یمامہ (جو مسیلمہ کذاب سے ہوئی تھی) کے زمانہ میں بلا بھیجا، میں حاضر ہوا تو وہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھے آ کر کہا جنگ یمامہ میں قرآن پاک کے بہت سے حفاظ و قراء شہید ہوگئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ مختلف علاقوں میں اگر قرآن کے حفاظ و قراء اسی طرح شہید ہوتے رہے تو قرآن کریم کا بڑا حصہ ضائع ہوجائے گا۔ میرے خیال میں آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں۔ میں نے عمر سے کہا جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہم آپ کیسے کرسکتے ہیں؟ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا یہ اچھا کام ہے۔ حضرت عمر برابر اپنی بات دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ پاک نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا اور میری رائے وہی ہوگئی جو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تھی۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا تم عقلمند نوجوان ہو، تمہاری دیانت و امانت پر ہم الزام نہیں لگاسکتے اور تم رسول اللہ ﷺ کے لئے وحی لکھا کرتے تھے۔ قرآن کریم کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کرو۔ زید کہتے ہیں خدا کی قسم مجھے کسی پہاڑ کو اس کی جگہ سے نقل کرنے کی تکلیف دیتے تو جمع قرآن کے کام سے زیادہ میرے لئے بوجھل نہ ہوتا۔ کہتے ہیں میں نے کہا جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا آپ کیوں کرتے ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، خدا کی قسم یہ کام اچھا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلسل مجھے سمجھاتے رہے، یہاں تک کہ اللہ پاک نے میرا سینہ بھی اس حقیقت کے لئے کھول دیا جس کے لئے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا۔ تو میں نے قرآن کریم کی تلاش شروع کردی۔ میں نے کھجور کی چھال، پتھر کی سلوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن جمع کیا۔ یہاں

تک کہ سورۃ توبہ کا آخری حصہ مجھے خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملا، کسی اور کے پاس نہ ملا۔ یعنی لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ... آخر تک یہ نسخے ابوبکر صدیق کے پاس تھے یہاں تک کہ اللہ پاک نے انہیں اپنے پاس بلالیا پھر زندگی بھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور پھر وہ نسخے حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس رہے۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

فاذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه واذا امرتكم بامر فاتوا منه مااستطعتم.

''جب میں تم کو کسی بات سے منع کروں اس سے بچو اور جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں اس پر جہاں تک ہوسکے عمل کرو''۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۲ طبع کراچی)

میرا نافرمان

فمن اطاع محمدا ﷺ فقد اطاع الله ومن عصى محمدا ﷺ فقد عصى الله ومحمد ﷺ فرق بين الناس. (بخاری ۲ ص ۱۰۸۱)

''جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ پاک کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ لوگوں میں فرق کرنے والے ہیں''۔

منکرین حدیث کے بارے میں پشینگوئی

حضرت مقدام بن محمد معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الاانی اوتيت القرآن ومثله مع الايو شک رجل شعبان على الريكة يقول عليكم بهذ القرآن فما وجدتم فيه من حلال فاحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه وان ماحرم رسول الله كما حرم الله الا لا يحل لكم الحمار الاهلي ولا كل ذى ناب من السباع ولا لقطة معاهد الا ان يستغنى عنها صاحبها ومن نزل بقوم فعليهم ان يقروه. فان لم يقروه فله ان يعقبهم بمثل ماقراه.

''سن لو مجھے قرآن اور اس جیسا (تشریحی) کلام اس کے ہمراہ دیا گیا ہے۔ خبردار ممکن ہے کہ کوئی پیٹ بھرا (دولت مند) اپنے تخت پر بیٹھا کہے، لوگو! اس قرآن پر صرف، ایمان رکھو۔ اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال مانو اور اس میں جو حرام پاؤ اسے حرام مانو حالانکہ حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کا حرام کہا ہوا ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ کا حرام کردہ۔ سنو! تمہارے لئے پالتو گدھا حلال نہیں۔ نہ شکاری درندہ، نہ کسی معاہدہ والے غیر مسلم کا گرا پڑا مال، ہاں مالک کو اس کی ضرورت ہی نہ ہو تو بات دوسری ہے۔ جب معاہد غیر مسلم کا گرا پڑا مال اٹھانا جائز نہیں تو مسلمان کا مال تو بطریق اولیٰ جائز نہیں اور جو کسی قوم کے پاس ٹھہرے اس قوم پر اس کی مہمان نوازی لازم ہے۔ اگر انہوں نے اس کی مہمان نوازی نہیں کی تو اسے ان سے بقدر ضرورت زبردستی ضروریات لینے کا حق ہے''۔ (ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۹)

☆ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول پاک ﷺ نے کھڑے ہوکر فرمایا۔ ''تم میں سے کوئی اپنے تکیہ پر ٹیک لگائے یہ خیال کرتا ہے کہ

ان الله لم يحرم شيئا الا ما فى هذا القرآن.

اللہ تعالیٰ نے صرف وہی حرام کیا ہے جو قرآن میں ہے۔

الا وانى والله قد امرت و عظت ونهيت عن اشياء انها لمثل القرآن او اكثر.

سن لو خدا کی قسم میں نے حکم دیا ہے نصیحت کی ہے۔ بہت سی چیزوں سے منع کیا ہے جن کی تعداد قرآن کریم جتنی بلکہ زیادہ ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۹)

☆ خدا کی طرح میرے احکام کو تسلیم کرنا اور میرے حرام کئے ہوئے کو حرام ماننا بھی ہر مسلمان پر لازم ہے۔

من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة.

''جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا''۔ (ترمذی)

☆ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔ (موطا امام مالک)

حدیث حفظ کرنے والوں کیلئے دعائے رسول ﷺ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نضر الله عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقد غير فقيه ورب حامل فقد الى من هو افقه منه..... الخ

''اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ اور خوش رکھے جس نے میری بات سنی اور اسے ہمیشہ کے لئے زبانی یاد رکھا اور آگے دوسروں تک پہنچایا۔ بہت سے سوجھ بوجھ اور علم اٹھائے پھرتے ہیں مگر خود فقیہہ (جید عالم) نہیں ہوتے ---''۔

حدیث پاک کی تحریرات

''بخدا ہمارے پاس پڑھنے کے لئے صرف اللہ کی کتاب (قرآن) اور یہ صحیفہ ہے۔ جب صحیفہ کھولا تو اس میں اونٹوں کی عمریں لکھی تھیں یعنی نصاب زکوٰۃ، اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ مدینہ فلاں مقام تک حرم ہے جس نے اس میں کوئی فتنہ برپا کیا اس پر اللہ کی لعنت اور فرشتوں اور انسانوں، سب کی، اللہ تعالیٰ اس سے فرض ونفل قبول نہیں کرے گا۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ مسلمانوں کا ذمہ (معاہدہ) ایک ہے۔ نچلے سے نچلے درجہ کا مسلمان بھی اس کو پورا کرنے کے لئے کوشاں رہے گا۔ جس نے (معاہدہ کی خلاف ورزی کرکے) مسلمان کو ذلیل کیا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور لوگوں، سب کی لعنت۔ اللہ تعالیٰ اس کے فرض ونفل کو قبول نہیں کرے گا۔ اس میں یہ بھی تھا جس نے اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ کر کسی قوم سے بغیر رشتہ نسبی کے رشتہ نسبی جوڑا (مال وشہرت کی خاطر) اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت، اللہ پاک اس کے فرض ونفل قبول نہیں کرے گا''۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۵۸۴)

فتح مکہ کا خطبہ

فتح مکہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل خطبہ دیا، یمن کے ایک صاحب ابوشاہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے لئے یہ لکھ دیجئے۔ آپ نے حکم دیا اکتبوا لابی فلان ان کے لئے اسے لکھ دو۔ (بخاری ج ا ص ۲۲ طبع کراچی)

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اپنے گورنر ابوبکر بن حزم کو یہ فرمان لکھ کر بھیجا۔

انظر ما كان من حديث رسول الله ﷺ فاكتبه فانی خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولا يقبل الا حديث النبی ﷺ وليفشوا العلم وليجلسوا حتی يعلم من لا يعلم فان العلم لا يهلك حتی يكون سرا.

''دیکھو رسول اللہ ﷺ کی تمام حدیثیں لکھ لو! مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے (دنیا سے) چلے جانے کا ڈر ہے اور صرف رسول اللہ ﷺ کی حدیث قبول کی جائے، علم کو خوب پھیلائیں اور اہل علم بیٹھیں تا کہ بے علموں کو تعلیم دیں، علم صرف اس وقت تباہ ہوتا ہے جب راز بن جائے''۔ (بخاری ج ا ص ۲۵)

حدیثیں لکھی جاتی تھیں

☆ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کے پاس حدیثیں نہیں۔ فانه كان يكتب ولا اكتب. وہ لکھا لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔ (بخاری ج ا ص ۲۲)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں رسول اللہ ﷺ سے جو سنتا یاد رکھنے کی نیت سے لکھ لیتا۔ بعض لوگوں نے یہ کہہ کر مجھے منع کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ انسان ہیں، غصہ اور رضا کی حالت میں بات کرتے ہیں میں لکھنے سے رک گیا۔ پھر میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے عرض کردی۔ آپ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ ''اکتب''، ''لکھا کر'' فوالذی نفسی بیده مایخرج منه الاحق. ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس منہ سے صرف حق نکل سکتا ہے''۔ (سنن ابوداؤد ۵۱۳۔۵۱۴)

کتابتِ حدیث

☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قید والعلم بالکتاب. ''علم کو لکھ کر قابو کرلو''۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے دو عادتیں زندہ رہنے کا حوصلہ اور شوق دیتی ہیں۔

۱. الصادقة ۲. الوهط

الصادقة وہ بیاضی (رجسٹر) صحیفہ ہے جس میں، میں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں لکھی ہیں۔

الوھط وہ زمین جسے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے لئے وقف کیا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو العاص اس کے منتظم تھے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ومایبنغی فی روایتہ و علامہ یوسف بن عبدالبر القرطبی الاندلسی م ۴۶۳ھ طبع بیروت ج ا ص ۷۲)

☆ ربیع بن مسعود کہتے ہیں میں نے جابر رضی اللہ عنہ کو ابن سابط کے پاس تختیوں پر حدیث پاک لکھتے دیکھا۔ (ایضاً)

☆ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''علم کو قید تحریر میں لاؤ'' (ایضاً)

☆ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ایک کتاب دکھا کر حلفاً کہا کہ یہ (احادیث) میرے والد نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھی۔

☆ بشیر بن عفیک (شاگرد رشید ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو سنتا لکھ لیتا جب میں ان سے رخصت ہونے لگا تو اپنی کتاب ان کو پیش کی اور عرض کی یہ ہے مجموعہ آپ سے سنی ہوئی احادیث کا، انہوں نے فرمایا ٹھیک ہے۔

☆ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے احادیث سنتے تو رحل کے درمیان لکھ لیتے، بعد میں بیاض میں نقل کر لیتے۔

☆ ابوقلابہ کہتے ہیں مجھے لکھ لینا زیادہ پسند ہے کہ بھول نہ جاؤں۔

☆ عبداللہ بن حنیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے لوگوں کو براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

کانوں کے قلم پکڑے حدیثیں لکھتے دیکھا۔

☆ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حدیثیں لکھنے کی اجازت دی۔ (ایضاً)

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں سے فرمایا کرتے علم کولکھ کر قابو کرو۔

☆ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ ''علم کو قید کرو؟ فرمایا علم کو قید کرو! عطاء نے کہا: علم کو قید کرنا کیا ہے؟ فرمایا لکھنا''۔

☆ پہلا شخص جس نے علم حدیث کو مدون کیا اور لکھا ابن شہاب زہری ہیں۔

☆ ابوالزناد کہتے ہیں ہم حلال وحرام سے متعلق حدیثیں لکھا کرتے تھے اور ابن شہاب زہری جو حدیث سنتے لکھ لیتے، جب ان کی احتیاج ہوئی تو مجھے پتہ چلا کہ وہی سب سے بڑے عالم تھے۔

☆ معاویہ بن قرہ کہتے ہیں جو علم حدیث نہ لکھے اسے عالم نہ سمجھو۔

☆ حسن بن عمرو کہتے ہیں میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی، انہوں نے اس کا انکار کیا۔ میں نے کہا جناب میں نے یہ حدیث آپ سے سنی ہے فرمایا اگر مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس لکھی ہوگی۔ مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور ہمیں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی بہت سی تحریریں دکھائیں وہ حدیث مل گئی۔ فرمانے لگے میں نے تجھے کہا تھا کہ اگر میں نے تجھے یہ حدیث سنائی ہے تو میرے پاس لکھی ہوگی۔

☆ عروہ بن زبیر (سیدہ عائشہؓ کے بھانجے) کی کتابیں واقعہ حرہ میں جل گئیں کہا کرتے تھے کاش میرا اہل ومال جل جاتا کتب حدیث نہ جلتیں۔

☆ سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں تین قسم کی حدیثیں لکھنا چاہتا ہوں۔

نمبرا حدیث لکھتا ہوں اور اسے دین بناتا ہوں ۲۔ ایسے شخص سے حدیث لکھتا ہوں جس میں توقف کرتا ہوں، نہ رد کرتا ہوں، نہ دین بناتا ہوں۔ ۳۔ کمزور راوی کی حدیث پہچاننا چاہتا ہوں مگر اسے اہمیت نہیں دیتا۔

☆ ان روایات کا علم بھی حاصل کرتا جنہیں قبول کرتا ہوں جیسے ان کا علم حاصل کرتا ہوں جو ناقابل قبول ہیں تاکہ صحیح وغلط میں پرکھ ہو۔

☆ امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ہمیں تمام احادیث وسنن جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر دفتر مجموعے تیار کئے، انہوں نے اپنی تمام سلطنت میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔

☆ صالح بن کیسان کہتے ہیں میں اور ابن شہاب زہری حصول علم میں مصروف تھے۔ ہمارا سنن واحادیث لکھنے پر اتفاق ہوگیا۔ پس ہم نے رسول اللہ ﷺ کی تمام احادیث لکھ لیں پھر امام زہری نے کہا ہمارے ساتھ صحابہ کرام کی بھی تمام احادیث وآثار لکھیں، میں نے کہا نہیں، وہ سنت میں شامل نہیں، امام زہری نے کہا وہ سنت میں شامل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے لکھ لیں اور میں نے نہ لکھیں۔ وہ کامیاب رہے میں نے عمر ضائع کی۔

☆ امام زہری کہتے ہیں، بادشاہوں نے مجھ سے حدیث رسول لکھنے کا مطالبہ کیا تو میں نے انہیں کتابیں لکھدیں پھر مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی کہ بادشاہوں کے لئے لکھوں اور دوسروں کے لئے نہ لکھوں۔

☆ خلیفہ عبدالملک کے بیٹے شہاب نے امام زہری سے حدیث لکھنے کے لئے دو کاتب مقرر کئے۔ جنہوں نے ان کے ہاں قیام کیا اور سال بھر احادیث لکھتے رہے۔ المبرد نے خلیل بن احمد (امام النحو) کا یہ قول نقل کیا ہے میں نے جو سنا لکھ لیا اور جو لکھا اسے یاد کرلیا اور جو یاد کرلیا اس نے مجھے فائدہ پہنچایا۔

(علامہ ابوعمر یوسف بن عبدالبر القرطبی الاندلسی م۴۶۳، جامع بیان العلم وفضلہ وماینبغی فی روایۃ وحملہ ج ا ص ۷۷)

حدیث لکھنے سے منع کیوں کیا؟

یاد رکھو! کسی صحابی یا بعد کے امام و بزرگ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث و سنت کی اہمیت و حجیت اور اصل شریعت ہونے کا کبھی انکار کیا نہ شک۔ جیسے اطیعو اللہ کا مطلب ہے قرآن پر ایمان اسی طرح اطیعو الرسول کا مطلب ہے حدیث و سنت رسول پر ایمان رکھنا۔ دونوں کو احکام شرع کے اصل اصول ماننا۔ جیسے اطیعو اللہ کا انکار، قرآن کا انکار اسی طرح سنت و حدیث رسول کا انکار اطیعو الرسول کا انکار ہے اور ہر انکار مستقل کفر ہے۔ ہاں ایک خاص وقت کے لئے خاص حکمت کے تحت حدیث سے نہیں، اسے لکھنے سے منع کیا گیا۔ جیسے قرآن سے نہیں اسے کتابی شکل میں مدون و مرتب کرنے میں اکابر صحابہ کا اختلاف ہوا۔ ہر نئے کام میں تردد و اختلاف پیدا ہوجاتا ہے جو بحث و تمحیص اور مخلصانہ افہام و تفہیم سے زائل ہوجاتا ہے۔

☆ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہا گیا، کیا اچھا ہو کہ آپ ہمیں حدیثیں لکھوادیا کریں، انہوں نے فرمایا ہم تمہیں لکھواتے نہیں، ہم سے حاصل کرو جیسے ہم نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیں۔

☆ ابونضرہ کہتے ہیں میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہا، ہم آپ سے جو حدیثیں سنتے ہیں ان کو لکھ نہ لیا کریں؟ انہوں نے کہا تم حدیثوں کو مصاحف بنانا چاہتے ہو؟ تمہارے نبی کریم ﷺ ہم کو حدیثیں سناتے اور ہم انہیں زبانی یاد کرلیا کرتے تھے۔ تم بھی اسی طرح یاد کرو جیسے ہم زبانی یاد کرتے تھے۔

☆ امام مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حدیثیں یا ان کی کتابیں لکھنے کا ارادہ کیا پھر فرمایا کتاب اللہ کے ساتھ کوئی کتاب تحریر نہیں ہوسکتی۔ امام مالک نے کہا ابن شہاب زہری کے پاس ایک ایک کتاب کے سوا جس میں ان کی قوم کا نسب لکھا تھا کوئی کتاب نہ تھی۔ لوگوں میں لکھنے کا نہیں، حفظ کرنے کا رواج تھا، جو لکھتا تھا وہ حفظ کرنے کی نیت سے لکھتا تھا۔ جب حفظ کرلیتا تحریر مٹادیتا۔ (جامع بیان العلم ج ا ص ۶۸ طبع بیروت)

نہ لکھنے کی وجوہات

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ایک باب میں کتابت حدیث کے حق میں اور دوسرے میں اس کے خلاف متعدد روایات و اقوال جمع کردیئے ہیں۔ ہم نے دونوں کی ایک جھلک آپ کے سامنے پیش کردی تاکہ مثبت و منفی دونوں پہلو سامنے آجائیں دونوں کا خلاصہ یہ ہے:

☆ ہر نئے کام میں پہلے ہچکچاہٹ ہوتی ہے جیسے کتابی صورت میں جمع قرآن کے سوال پر ہوئی۔

☆ عربوں کو اپنے حافظہ پر بڑا اعتماد تھا فصیح و بلیغ خطبات، سینکڑوں اشعار کے قصائد، مراثی، غزلیات اور نسبت عام لوگوں کو زبانی یاد ہوتے تھے۔ لکھنے کو ذہنی کمزوری اور حفظ کو بجا طور پر کمال سمجھتے تھے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کو دین کا مرکز و محور مانتے تھے۔ آپ کی ہر بات کو حق سمجھ کر زندگی کا عملی لائحہ عمل بنالیتے تھے۔ آپ کے دامن کرم سے وابستگی کو دین اور اس میں کمی کو ایمان سے محرومی سمجھتے تھے۔

☆ دور اول میں جس طرح ماننے والوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ منکرین، حاسدین اور منافقین کی

Scanned with CamScanner

شیطانی سازشیں بھی زوروں پر تھیں۔ اپنے رسول سے مسلمانوں کی بے مثال عقیدت و وابستگی نے منکرین کے دلوں میں آگ لگادی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ حق وصداقت کا یہ سورج کبھی غروب نہ ہوگا۔ اس لئے ان کی ہمیشہ یہ کوشش بلکہ حسرت رہی کہ قرآن کریم کو ختم کردیں یا پہلی کتابوں کی طرح اسے محرف کردیں یا کم سے کم یہ ممکن نہیں تو اس لافانی کتاب کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت وتفسیر اور عملی زندگی سے الگ کردیں تاکہ اس کی انقلابی تعلیم و تربیت سے دنیا کو محروم کیا جائے۔ کتاب اللہ کا متن لیکر من مانی تفسیر کرکے اسلام کے رخ روشن پر شیطانی تلبیس کے پردے ڈال دیں۔ اس مقصد کے لئے ایک طرف قرآن کریم کے متن کے خلاف کوششیں ہوئیں جو اپنی موت آپ مرگئیں پھر حدیث وسنن کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا تاکہ نبوی تشریح سے امت کو محروم کیا جائے اور دین کا پورا نقشہ بدل دیا جائے پھر قرآن میں تحریف کے لئے صحیح احادیث کے مقابل میں جعلی روایات کو گھڑا اور پھیلایا گیا۔ مگر اس دین کا محافظ اس کی حفاظت کرتا رہا۔ جہاں اصل چیز ہوتی ہے وہیں جعلی اور نقلی مال بھی آجاتا ہے اور یہ سب کچھ اسلام کے ساتھ روز اول سے ہوتا رہا۔ چنانچہ جہاں سنت وحدیث رسول ﷺ پر امت کو کاربند کیا وہیں من گھڑت اور جعلی روایات ہی نہیں، آیات پر بھی نظر رکھی۔ مسیلمہ کذاب سے لیکر مرزا قادیانی تک نبوت کے ہر جھوٹے دعویدار نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اپنے حق میں من گھڑت وحی اور آیتیں بنائیں اور گھڑیں لہذا خدشہ تھا کہ صحیح وغلط، خلط ملط نہ ہوجائے۔ متن قرآن میں کمی بیشی نہ ہوجائے۔ اسی کے پیش نظر احادیث کے لکھنے، نہ لکھنے میں اختلاف ہوا۔ حدیث پاک کی حجیت میں تو کبھی کسی مسلمان کو اختلاف ہوا ہی نہیں اور جو اختلاف کرے وہ مسلمان نہیں۔

اس مقصد کے لئے احادیث کی جمع وتدوین بھی ضروری تھی اور ملاوٹ سے اسے پاک رکھنا بھی ضروری تھا۔ لہذا جو علم وتقویٰ میں معروف اور محتاط تھے ان کیلئے حفظ وکتابت حدیث کا راستہ کھول دیا اور جو اس درجہ و معیار کے نہ تھے ان کو اس کام سے منع کردیا گیا۔ اس لئے اجازت وممانعت دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ جس کام سے اطمینان ہوا اس کی حوصلہ افزائی فرمائی اور جو کام غیر تسلی بخش پایا اس کی ممانعت فرمادی۔ یہ صرف حدیث کی بات نہیں، قرآن کریم کے وہ تمام نسخے جو غیر معیاری تھے اور خدشہ تھا کہ آئندہ کسی وقت باعث فتنہ ہونگے ان کو بھی جلایا گیا اور آج بھی بالفرض غفلت وکوتاہی یا عناد کی بنا پر کوئی قرآن پاک کا تحریف شدہ نسخہ شائع کرے اسے مسلمان حکومت ضبط کرے گی اور متعلقہ شخص یا ادارہ کو اس جرم کی سزا ہوگی۔ اللہ کی کروڑہا رحمتیں ان نفوس قدسیہ پر جنہوں نے صحیح وغلط کی تحقیق وتمیز کی۔ دشمن کی سازشوں کو بے نقاب کیا اور صحیح احادیث کے مجموعے تیار کرکے امت بلکہ انسانیت کی ہدایت کا سامان کیا۔ اللہ تعالیٰ منکرین حدیث وقرآن کو ہدایت دے اور خلق خدا کو ان کے شر سے بچائے۔

کرنسی کی مثال

16 دسمبر 1971ء کو سقوط ڈھاکہ ہوا یعنی دشمن کی سازش اور اپنوں کی عاقبت نااندیشی، حکمرانوں اور سیاستدانوں کی ہوس حکمرانی وعیاشی، نااہلی کے نتیجہ میں مملکت خداداد پاکستان کا مشرقی بازو کٹ کر مرکز سے الگ کردیا اور اسے بنگلہ دیش کا نام دیدیا گیا۔ وہاں کے بینکوں، کمپنیوں، صنعتی وتجارتی اداروں اور نجی ملکیت میں پاکستانی کرنسی کی صورت میں اربوں کھربوں روپے اور دیگر اثاثہ جات تھے۔ دشمن کسی ذریعہ سے اس قومی دولت کو غصب کرنا چاہتا تھا

تاکہ ہماری معیشت تباہ ہو اور اس کی مستحکم۔ حکومت پاکستان نے فوری طور پر بڑی مالیت کے نوٹ منسوخ کر دیے اور جن لوگوں کے پاس تھے ان کو چند گھنٹوں کے مختصر وقفہ میں اپنے قریب ترین بینک میں جمع کروانے کا حکم دیا۔ اس مثال کو سامنے رکھیں غیر معمولی حالات میں غیر معمولی اقدامات کرنا پڑتے ہیں۔ ایک طرف رسول اللہ ﷺ کو ملنے والی کتاب قرآن مجید۔۔۔ اس کے چیلنج اور انقلاب مختصر ترین وقت میں۔۔۔ ساتھ ساتھ اس کی حفاظت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی عملی، قولی وتقریری تشریح وتفسیر۔۔۔ اسوہ حسنہ کا حسین ماڈل۔۔۔ انسانوں کے انبوہ عظیم کی تعلیم وتربیت کرکے اسے امت مسلمہ کے نام سے دنیا کے سامنے پیش کرنا۔۔۔ بقول علامہ اقبال

مانند شہا در حراء خلوت گزید　　قوم و آئین و حکومت آفرید

غار حرا کے خلوت گزیں نبی نے قوم، آئین اور سلطنت تینوں کو دنیا کے سامنے بہترین ماڈل کی صورت میں پیش کر دیا جس نے چند سالوں کے قلیل عرصہ میں دنیا کی دو بڑی طاقتوں قیصر و کسریٰ کے ظلم و استبداد کا مضبوط محل مسمار کرکے ایوان عدل و مساوات تعمیر کر دیا۔ باطل کی ان ناکامیوں اور اہل حق کی مسلسل کامیابیوں سے شیطانی قوتیں لرزہ براندام تھیں اور میدان کارزار اور کارگاہ فکر و عمل میں شکست کھا کر اس دین کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوگئیں۔ قرآن کے متن میں کمی بیشی کی حرکتیں کیں۔۔۔ جعلی وحی سے دو نمبر آیتیں گھڑی گئیں۔۔۔ جھوٹی وجعلی حدیثیں گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کی گئیں تاکہ دین میں تحریف و رخنہ اندازی ہو۔۔۔ حقیقتیں مسخ ہوں۔۔۔ امت میں گمراہی و انتشار آئے۔۔۔ اور حق و صداقت کے بڑھتے ہوئے قدم رک جائیں۔۔۔ ظلم دنیا سے ناپید نہ ہو۔۔۔ اس جعلی سازش کی مکمل تردیدی وضاحت ضروری تھی اس لئے صحابہ کرام اور خیر خواہان ملت نے ایسی روایات کے خلاف صرف زبانی وتحریری جہاد نہیں کیا بلکہ ان محدثات و بدعات کے خلاف بوقت ضرورت طاقت بھی استعمال کی اور گمراہی کے ان سرچشموں کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ جس طرح کرنسی نوٹوں اور دوسری مالی دستاویزات کی تنسیخ اس لئے نہیں کی جاتی کہ اس کی قانونی حیثیت نہ تھی۔ قانونی حیثیت بھی تھی کوئی جھوٹ بھی نہ تھا اس کی اہمیت کا انکار بھی نہ تھا بلکہ دشمن کی بھیانک سازش کو ناکام کرنا تھا۔ اس لئے صحیح قانونی نوٹ بھی منسوخ کر دیئے گئے۔ اسی طرح دشمن کی سازشوں سے امت کو بچانے کے لئے اور جعلی روایات کے سد باب کے لئے مختلف اوقات میں مسلمانوں نے جو مناسب سمجھا اس پر عمل کیا اور جس سے خطرے کا اندیشہ ہوا اس کی ممانعت کر دی۔ اس سے حدیث پاک کی اہمیت واضح ہوئی۔ (تمت بالخیر)

MinhajCDs.com
خوشخبری
فیصل آباد
کی کمپیوٹر مارکیٹ
'ریکس سٹی' کے قریب
"مدینہ سنٹر" میں واقع
منہاج سی ڈیز ڈاٹ کوم
شیخ الاسلام
ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی
CDs کا مکمل ذخیرہ
مرکز کے ریٹ پر
نئی ریلیز ہونے والی
CDs کی فوری فراہمی
پاکستان بھر میں
فری ہوم ڈیلیوری
اِسلامک سافٹ ویئر
تلاوت، نعت، قوالی
منہاج سی ڈیز ڈاٹ کوم
18 مدینہ سنٹر، سلیمی چوک
ستیانہ روڈ فیصل آباد
041-8531823
MinhajCDs.com

فہم قرآن کی جہات

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

زندگی اپنے مزاج، ساخت اور رجحان کے لحاظ سے ریاضیاتی (Mathematical) نہیں امکاناتی (Statistical) ہے یعنی زندگی کی نوعیت پر اگر غور کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی بنیاد تعینات پر نہیں بلکہ امکانات پر رکھی گئی ہے۔ زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی، کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کے پوشیدہ امکانات کو کس حد تک دریافت کیا گیا ہے اور کس حد تک انہیں زیر تصرف لایا گیا ہے۔ چونکہ کائنات کا نظام ضابطہ کن فیکون کے تحت امکانات کی دریافت در دریافت کے لامتناہی سلسلے کے تحت ہی چل رہا ہے، لہٰذا زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے افراد یا قوموں کی طرف سے یہ گلہ ہرگز کوئی وزن نہیں رکھتا کہ انہیں فطرت نے مواقع کم دیئے اور وہ روز مرہ کی اس مسابقت کا ساتھ نہ دے سکے!

> قرآن حکیم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو ہمیں اس پیراڈائم سے آشنا کرسکتا ہے جس میں زندگی کے امکانات کو گرفت میں لانے کی سکت موجود ہو

سوال یہ ہے کہ زندگی کے ان ان گنت اور مخفی امکانات تک رسائی کیسے حاصل کی جائے اور اس رسائی میں کامیابی کے ذریعے زندگی کے مقصود کو کس طرح پایا جائے؟ اس کے کئی راستے ہو سکتے ہیں، مگر تفصیل میں جائے بغیر ایک اصول ضابطے کے طور پر ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا موثر ترین ذریعہ اللہ کی عطا کردہ ھدایت ہے جس کی مستند ترین محسوس صورت قرآن حکیم ہے۔ گویا قرآن حکیم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو ہمیں اس پیراڈائم سے آشنا کرسکتا ہے جس میں زندگی کے امکانات کو گرفت میں لانے کی سکت (Potential) موجود ہو۔ ہم جب بقیہ ذرائع ھدایت پر قرآن حکیم کی برتری اور فوقیت وترجیح کی بات کرتے ہیں تو اس کا سبب قرآن حکیم کے وہ امتیازات ہیں جو کسی بھی دوسرے ذریعہ ہدایت یا رہنمائی کے سرچشمے میں موجود نہیں، یعنی:

۱۔ قرآن حکیم اپنی معنوی وسعت میں بے مثال ہے۔

۲۔ قرآن حکیم اطلاقی لحاظ سے زمانی تفرقات ثلاثہ (ماضی، حال اور مستقبل) کا احاطہ کرتا ہے۔

۳۔ قرآن حکیم انسانی شعور کے ارتقائی پہلو کو متحضر رکھتا ہے۔

۴۔ قرآن حکیم اپنی ثقاہت کی تصدیق خود پیش کرتا ہے۔

۵۔ قرآن حکیم کی معنویت آفاقی، غیر متبدل اور ابدی ہے۔

جب زندگی کے امکانات کی دریافت کے باب میں قرآن حکیم سے رہنمائی اخذ کرنے کا معاملہ آتا ہے تو

ڈاکٹر محمد طاہر القادری ایک فرد کا نام نہیں بلکہ تاریخ کا ایسا سنگم ہیں جہاں ہماری تاریخ کے کئی درخشاں دھارے ملتے ہیں اور ان سے ملت کے مستقبل کا دھارا پھوٹتا ہے

متن قرآن اور اس کے معانی و تاثیر (نتیجہ خیزی) میں ایک ایسے وسیع بُعد کے حائل ہونے کا مرحلہ در پیش ہوتا ہے جسے طے کرنے کا عمل پچھلی کئی صدیوں سے جاری ہے۔ متن قرآن سے قرآن حکیم کی تاثیر تک کا سفر جس پل پر طے کیا جا سکتا ہے وہ فکر ہے جسے قرآن حکیم نے 'حکمۃ' کہا اور خیر کثیر قرار دیا۔ زندگی کے امکانات کی تسخیر کے لئے قرآنی تاثیر کے حصول کی ضمانت اس امر میں ہے کہ اس کے لیے سفر جس پل پر کیا جا رہا ہے وہ کتنا راست، منزل آفریں، پختہ اور سفر کی سلامتی کا ضامن ہے۔

قرآنی شعور زندگی کے تمام معاملات کو کس طرح یکلخت بدل کر ایک نئے معنوی زاویہ سے آشنا کرتا ہے اس کی کوئی نظیر کسی دوسرے طرز فکر میں نہ ملے گی۔ ایک عام مثال لیں، ہماری زندگی میں آئے دن بچوں کی گمشدگی کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اکثر تو گمشدہ بچوں کی راہ تکتے تکتے ان کے والدین آخرت کو سدھار جاتے ہیں۔ اگر گمشدہ بچے مل بھی جائیں تو وہ معاشرے کا اجنبی (Isolated) حصہ بن کر ہی واپس لوٹتے ہیں۔ مگر قرآن حکیم بھی ایک گم شدہ بچے کا تذکرہ بیان کرتا ہے۔ وہ بچہ اپنی گم شدگی کے دوران جن مراحل سے گزرا انجام کار وہ زندگی کی ان کامل رفعتوں پر پہنچا کہ جب وہ اپنے والدین اور اہل خاندان سے ملا تو انہیں یہ کہنا پڑا: تاللہ لقد آثرک اللہ علینا! (اے یوسف! بیشک اللہ نے تجھے ہم پر برتری عطا کی ہے۔)

سوال یہ ہے کہ کیا یہ سارا سفر صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے ہی مخصوص تھا؟ یا اس کی کوئی عملی افادیت آج کے زمانے کے لئے بھی ہے؟ اگر اس واقعہ کو صرف حضرت یوسف علیہ السلام کی ذات تک محدود رکھا جائے تو سورہ یوسف کی ان آیات کی توضیح کیا ہو گی؟

انا انزلنا قرآنا عربیا لعلکم تعقلونO(۱۲:۲)

''بیشک ہم نے اسے عربی زبان میں اتارا تا کہ تم سمجھو۔''

لقد کان فی یوسف و اخوتہ آیت للسائلینO(۱۲:۷)

''بیشک یوسف اور اس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔''

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب (۱۲:۱۱۱)

''بیشک ان کے واقعات میں اہل عقل کے لئے عبرت ہے۔''

اور اگر اس واقعہ کی ابدی اور مسلسل و مستمر افادیت کا اقرار کیا جائے تو اس کی صورت کیا ہو گی؟ اس صورت گری کا نام ہی 'فکر' ہے۔ اگر ہم اس فکر کو دریافت کر لیں تو یہ امر کھل سکے گا کہ:

☆ قرآن ہی 'ذکر' (عزت اور وقار) ہے۔

☆ صرف قرآن ہی انسانی شعور کو چیلنج کرتے ہوئے یہ دعویٰ کر سکتا ہے:

فبای حدیث بعدہ یومنونO(۷:۱۸۵)

''اس قرآن کے نازل ہونے کے بعد تم لوگ اور کس بات پر ایمان لانے کے انتظار میں ہو!''

☆ 'ہدایت اقوم' (Trustworthy & Gauranted Guidance) کا منہاج، قرآن

ہی دے سکتا ہے۔

قرآن حکیم زندگی کے امکانات تک رسائی کے لئے دو طرح کے راستے اختیار کرتا ہے:

ا۔انہاک (استغراق) کا راستہ ۲۔ادراک کا راستہ

حضرت ایوب علیہ السلام نے جب اپنی بیماری سے شفا کے لئے بارگاہ رب العزت میں دعا کی تو اللہ تعالی نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور نہ صرف ان کو تمام نعمتوں سے سرفراز فرمایا بلکہ ان کے کھوئے ہوئے اہل خانہ بھی انہیں لوٹا دیئے۔ اسے قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے:

رحمة من عندنا و ذکری للعبدین O(۲۱:۸۴) ''یہ ہماری خاص رحمت اور بندگی کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

رحمة منا و ذکری لاولی الالباب O(۳۸:۴۳) ''یہ ہمارے خاص رحمت اور اہل عقل کے لئے نصیحت ہے۔''

یہاں پہلی آیت میں 'انہاک' اور دوسرے آیت میں 'ادراک' کے منہج کی طرف اشارہ ہے۔تاہم قرآنی اسلوب سے یہ امر واضح ہے کہ زندگی کے امکانات کی تسخیر کے لئے قرآن حکیم فکر ہی کو بنیادی آلہ (Instrument) قرار دیتا ہے۔ جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کو بڑھاپے میں بیٹے کی خوشخبری دی تو اس پر فرشتوں نے کہا:

قالوا کذالک قال ربک انہ ھو الحکیم العلیم O(۵۱:۳۰)

''انہوں نے کہا: تمہارے رب نے یونہی فرمادیا ہے اور وہی حکیم اور علم والا ہے۔''

تبدیلی چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی منہاج القرآن کا بنیادی ہدف ہے اور اس ہدف کے حصول میں بنیادی اور فیصلہ کن کردار فکر کا ہی ہوسکتا ہے۔تفرقہ چاہے علمی ہو، مسلکی ہو یا مذہبی، اس کا حل علمی اور فکری وحدت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔مثلاً

ا۔عقیدہ میں اختلاف اور افتراق کا سبب عقیدے سے متعلق جزوی نکتہ نظر ہے۔علم غیب ہی کو لیں اگر قرآن حکیم کے تصور علم غیب کو کلی طور پر لیا جائے تو یہ سوال کبھی نہیں اٹھے گا کہ حضور اکرم ﷺ کو علم غیب تھا یا نہیں اور علم غیب کے باب میں مباحث کی تاریخ بھی اس امر کی گواہ ہے کہ کسی غیر مسلم نے حضور اکرم ﷺ کے علم غیب کا سوال کبھی نہیں اٹھایا۔ بلکہ عالم اسلام کے اندر ہی ادھوری علمی وفکری رسائی کے حامل لوگوں نے ان مباحث کا آغاز کیا۔اگر اس مسئلے کو قرآنی نکتہ نظر سے لیا جائے تو اس کی نوعیت ہی کلیتاً بدل جاتی ہے۔کیونکہ وہاں علم غیب کے موجود ہونے یا نہ ہونے کے سوال کے بجائے اس اعلیٰ وصف کے حصول کا سوال در پیش ہوتا ہے۔ مثلاً مشہور صوفی حضرت خواجہ محمد عبد الرحمن چھوہرویؒ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا حضور اکرم ﷺ کو علم غیب تھا؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ آپ ﷺ تو مقصود کائنات ہیں، میرے والد گرامی حضرت خواجہ فقیر محمد خضریؒ جو حضور ﷺ کے ادنیٰ امتی ہیں، نے میری والدہ صاحبہ کو بتایا کہ ابھی مجھے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ ان چالیس (۴۰) دنوں میں میرا انتقال ہو جائے گا، اور آپ کا انتقال انہی دنوں میں ہوا اور آپ اپنی بتائی ہوئی جگہ پر ہی دفن ہوئے۔

تحریک منہاج القرآن کا بنیادی ہدف ہر سطح پر تبدیلی ہے اور اس تبدیلی کیلئے بنیادی کردار فکر کا ہی ہوسکتا ہے۔ ہر قسم کے تفرقہ کا حل علمی اور فکری وحدت کے ذریعے ہی ممکن ہے

۲۔عملی تفرقے کا سبب بھی فکر وعمل کی وحدت کا نہ ہونا ہے۔سامنے کی بات ہے، آج ملک کی ہر دینی، مذہبی اور اصلاحی جماعت کا ایجنڈا ایک

> ہمیں قوم کو شعور دینا ہوگا کہ ہمارا مقصد بعثتِ محمدی ﷺ کی روشنی میں ایک ہمہ گیر تبدیلی ہے جو اس وطن کے قیام کا واحد جواز ہے

ہمہ گیر انقلاب ہے۔لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ اگر انقلاب کے یہ سارے داعیین آئین پاکستان ہی کے مخلصانہ عمل درآمد پر اتفاق کر لیں اور قوم کو اخلاقی طور پر اس کے لئے تیار کریں،تو اس ملک کے اکثر مسائل حل ہو سکتے ہیں اور پھر یہ کہ اخلاقی طور پر مضبوط قوم کی فطرت بھی حمایت کرتی ہے۔

۳۔فہم دین کے باب میں تفرقہ بھی فکری اپاہج پن کا نتیجہ ہے۔دور جدید کے مسائل مثلاً جمہوریت،حقوق انسانی،تشکیل آئین،حقوق نسواں، اسلام کا عالمی کردار وغیرہ میں سے وہ کون سا مسئلہ ہے جسکا حل اسلام کے ابتدائی ماخذوں میں نہیں۔لہجے،طرز بیان،اور اصطلاحات کا اختلاف مسئلے کا حل موجود نہ ہونے کا جواز نہیں بن سکتا۔

منہاج القرآن کے وابستگان پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔کہ انہوں نے عامۃ المسلمین سے ایک قدم آگے بڑھ کر شعوری طور پر ان الصلوتی و نسکی ومحیای و مماتی لله رب العلمین کہتے ہوئے اپنے خالق سے ایک کمٹمنٹ کر رکھی ہے اور یہ کمٹمنٹ ایک ہمہ گیر تبدیلی کو یقینی بنانا ہے۔لیکن بقول ڈاکٹر برھان احمد فاروقی ” کوئی شخص میری بات اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک اسے وہی مسئلہ نہ درپیش ہو جو مجھے درپیش ہے،ہمیں قوم کو اسی مسئلے کا شعور دینا ہوگا جو ہمیں درپیش ہے یعنی مقصد بعثت محمدی کی روشنی میں ایک ہمہ گیر تبدیلی جو اس ارض وطن کے قیام کا واحد جواز ہے۔ہماری خوش نصیبی کہ ہمیں قائد انقلاب کی قیادت میسر ہے۔اور ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری ایک فرد کا نام نہیں بلکہ آپ تاریخ کا ایسا سنگم ہیں جہاں ہماری تاریخ کے کئی درخشاں دھارے ملتے ہیں اور ان سے ملت کے مستقبل کا دھارا پھوٹتا ہے۔

اے گل زتو خرسندم کہ بوئے کسے داری
اے سرو بتو شادم کہ شکلت بفلاں ماند!

”اے پھول! میں تیری خوشبو سے تازگی پاتا ہوں کہ تیری خوشبو محبوب کی خوشبو ہے اور اے سرو! تیرے کشیدہ قامت کا منظر میرے لئے سرمستی و سرخوشی کا سرچشمہ ہے کہ تیری صورت محبوب کی صورت ہے!“

منہاج القرآن کے اس فکری تشخص کا ابلاغ ہی ہماری بقاء ہے۔ڈیگال نے والٹیر کو قتل کرنے کے مطالبے پر کہا تھا کہ والٹیر فرانس ہے،اور فرانس کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ہمیں اپنی قیادت کے فکری تشخص کی بقاء اور تسلسل کی اس منزل کو یقینی بنانا ہے۔ ❀❀❀❀❀❀❀

GlobBiz Avenue گلوبز ایونیو گوادر میں پلاٹس کی اشد ضرورت

زیڈ۔ایس پراپرٹی ڈیل کو گلوبز ایونیو گوادر میں کمرشل اور رہائشی پلاٹس کی کیش پیمنٹ پر اشد ضرورت،بہتر قیمت اور شفاف ڈیل کیلئے صرف اور صرف سنجیدہ مالکان رابطہ کریں۔(نو ڈیلر)

میاں طارق اسلام 0300-8882223 مس شازیہ بٹ 0321-9488102

www.zsassociate.com

Z.S. ASSOCIATES
Builder Developers & Investment Advisor
042-111-159-159
0300-8422243